ادب کا سماجی تناظر: مقبوضہ کشمیر کے اردو ناولوں میں ریاستی جبر کی صورتوں کی پیش کش کا مطالعہ

(Social Context of Literature: A Study of the Presentation of forms of State Oppression in Urdu Novels written in Occupied Kashmir)

مقالہ برائے ایم فل (اردو)

مقالہ نگار

چوہدری شاہد رفیق

شعبہ اردو زبان و ادب، فیکلٹی آف لینگویجز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اگست 2023

ادب کا سماجی تناظر: مقبوضہ کشمیر کے اردو ناولوں میں ریاستی جبر کی صورتوں کی پیش کش کا مطالعہ

(Social Context of Literature: A Study of the Presentation of forms of State Oppression in Urdu Novels written in Occupied Kashmir)

مقالہ نگار

چوہدری شاہد رفیق

یہ مقالہ

ایم فل (اردو)

کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا۔

فیکلٹی آف لینگویجز

(اردو زبان و ادب)

شعبہ اردو زبان و ادب، فیکلٹی آف لینگویجز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اگست 2023

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم

زیرِ دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے۔ وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف لینگویجز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: **ادب کا سماجی تناظر: مقبوضہ کشمیر کے اردو ناولوں میں ریاستی جبر کی صورتوں کی پیش کش کا مطالعہ**

پیش کار: چوہدری شاہد رفیق

رجسٹریشن نمبر: 44/MPhil/URD/F21

ماسٹر آف فلاسفی

(اردو زبان و ادب)

ڈاکٹر عابد حسین سیال ______________________

نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر جمیل اصغر جامی ______________________

ڈین فیکلٹی آف لینگویجز

تاریخ ______________________

اقرار نامہ

میں چوہدری شاہد رفیق حلفیہ اقرار کرتا ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد کے ایم فل سکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر عابد حسین سیال کی زیر نگرانی کیا گیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا ہے اور نہ ہی آئندہ کروں گا۔

چوہدری شاہد رفیق

مقالہ نگار

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

2023

فہرست ابواب

عنوان	صفحہ نمبر
مقالے کے دفاع کی منظوری کا فارم	iii
اقرار نامہ	iv
فہرست ابواب	v
Abstract	ix
اظہارِ تشکر	x
باب اول: تعارف اور بنیادی مباحث	01
الف۔ تمہید	01
1۔ موضوع کا تعارف	01
2۔ بیان مسئلہ	01
3۔ مقاصد تحقیق	02
4۔ تحقیقی سوالات	02
5۔ نظری دائرہ کار	02
6۔ تحقیقی طریقہ کار	05
7۔ مجوزہ موضوع پر ما قبل تحقیق	07
8۔ تحدید	08

9۔ پس منظری مطالعہ 08

10۔ تحقیق کی اہمیت 13

ب۔ جسمانی تشدد اور نفسیاتی تشدد 14

1۔ ریاستی جبر: بنیادی مباحث 14

2۔ تشدد: مفہوم اور اقسام 20

i۔ جسمانی تشدد 23

ii۔ نفسیاتی تشدد 25

حوالہ جات 28

باب دوم: منتخب ناولوں میں ریاستی جبر کی عکاسی کا مطالعہ 31

الف۔ سماجی جرائم 31

1۔ انسانی حقوق کی خلاف ورزی 31

2۔ اقلیتوں پر جبر 36

ب۔ جنگی جرائم 38

1۔ قیدیوں سے بدسلوکی 38

2۔ نسل کشی 40

حوالہ جات 44

باب سوم: منتخب ناولوں میں تشدد کی عکاسی کا مطالعہ 46

الف۔ جسمانی تشدد	46
1۔مار پیٹ کی صورتیں	46
2۔ قتل و غارت گری	49
3۔ حراستی مراکز میں تشدد	51
4۔شناخت پریڈ	54
ب۔ نفسیاتی تشدد	55
1۔ خواتین کی ہراسانی	55
2۔ حراستی مراکز میں خوف زدہ کرنا	57
3۔ عسکری طاقت کا کھلے عام اظہار	59
4۔ پکڑ دھکڑ اور حراست	62
حوالہ جات	65
باب چہارم: منتخب ناولوں میں جبر اور تشدد کی عکاسی کے فنی وسائل کا تجزیہ	69
الف۔ مکالمے	69
ب۔ منظر نگاری	76
ج۔ کردار	82
د۔ بیانیہ	90

حوالہ جات	98
مجموعی جائزہ	101
نتائج	106
سفارشات	109
کتابیات	110

ABSTRACT

Social Context of Literature: A Study of the Presentation of forms of State Oppression in Urdu Novels written in Occupied Kashmir

The research topic is related to the study of the presentation of cases of state oppression in Urdu Novels written in occupied Kashmir. Seven decades have been passed since Indian occupation of Kashmir. India increased its powers by increasing the number of security forces to crush the armed struggle for independence that began in the 1990s, which also increased the incidence of repression and violence against the local population of Kashmir.It has been raised all over the world through print and electronic media.

A siginificant number of Urdu literature has also been written on the issue of Kashmir and Kashmiri people's struggle for freedom, which includes novels, fiction and poetry. Under the theme, Naeema Ahmad Mahjoor's novel "**Dehshat Zadi**" and Shafaq Sopoori's novel "**Firing Range: Kashmir 1990**" have been selected.

The thesis consists of four chapters. The first chapter contains the introduction and basic discussions of the subject while the second chapter covers selected novels various forms of state oppression such as human rights violations, genocide abuse of prisoners and repression of Muslim minorities have been studied. The second chapter deals with the depiction of the two major types of violence in the selected novels, physical violence and psychological violence. While in the fourth chapter, the technical resources used by the novelists to depict state oppression and violence, dialogue, scenery, character and narrative have been evaluated.

اظہارِ تشکر

خدائے بزرگ و برتر کا صد شکر کہ اس کی خاص کرم نوازی سے اس تحقیقی مقالے کی بروقت تکمیل ممکن ہوئی۔ اس کامیابی کا تمام تر سہرا اپنے اساتذہ بالخصوص ڈاکٹر عابد سیال صاحب کے سر جاتا ہے جن کی کمال شفقت، مسلسل رہنمائی اور حوصلہ افزائی سے یہ کام قلیل مدت میں تکمیل کو پہنچا۔

میں اس موقع پر اپنے ہم جماعت ساتھیوں کا بھی فرداً فرداً شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جنہوں نے ہمیشہ عزت، احترام اور خلوص کا مظاہرہ کیا اور وقتاً فوقتاً مناسب مدد اور رہنمائی فراہم کرتے رہے۔ ایسے میں اپنے انتہائی قریبی ساتھیوں ذیشان مرتضٰی، محمد مدثر اور جویریہ مریم کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے میرا اس وقت حوصلہ بڑھایا جب میں تقریباً مایوس ہو چکا تھا۔

اس کامیابی کے موقع پر اپنی والدہ محترمہ کا بھی شکر گزار ہوں جو ہمیشہ میری کامیابی کے لیے دعا گو رہتی ہیں۔ اپنی شریک حیات کا شکریہ ادا کرنا بھی لازمی سمجھتا ہوں جس نے گھریلو ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے سر لیا اور مجھے یکسوئی سے اس کارِ دشوار کی بروقت تکمیل میں سہولت فراہم کی۔

میں اس کامیابی کے موقع پر اپنے والدِ محترم محمد رفیق مرحوم اور برادرِ اکبر زاہد رفیق مرحوم کی کمی شدت سے محسوس کر رہا ہوں جو ہمیشہ مجھے کامیاب دیکھنا چاہتے تھے۔ اللہ پاک ان کی بخشش فرمائے ۔ آمین

چوہدری شاہد رفیق

باب اول

تعارف اور بنیادی مباحث

الف۔ تمہید

1۔ موضوع کا تعارف

مسئلہ کشمیر 1947 سے حل طلب ہے۔ کشمیری قوم نے آزادی کے لیے ہمیشہ جد وجہد جاری رکھی ہے۔ کشمیریوں کے جذبہ آزادی کو دبانے کے لیے بھارت نے گزشتہ سات دہائیوں سے ریاستی جبر کے مختلف ہتھکنڈوں مثلاً کرفیو، کریک ڈاون، گھر گھر تلاشی اور شناخت پریڈ کے دوران اکثر مقامی آبادی کو جسمانی اور نفسیاتی تشدد کا نشانہ بنایا ہے۔ جبر و تشدد کے ان اقدامات کے خلاف اور آزادی کے حق میں وہاں اکثر احتجاجی مظاہروں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ تحریک آزادی میں نوے کی دہائی میں جب مسلح جدوجہد کا آغاز ہوا تو بھارت نے اسے کچلنے کے لیے جہاں سکیورٹی فورسز کی تعداد میں اضافہ کر دیا وہیں اس کے اختیارات بھی بڑھا دیے، جس سے جبر و تشدد میں اضافہ ہوا۔ ریاستی جبر اور تشدد کے ان بہیمانہ اقدامات سے کوئی بھی شخص متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، یہاں تک کہ مقبوضہ کشمیر کے ادیبوں نے بھی اپنی تخلیقات میں اس کی عکاسی کی ہے۔ انہی ادیبوں میں نعیمہ احمد مہجور اور شفق سوپوری کا شمار بھی ہوتا ہے۔ نعیمہ احمد مہجور کا ناول "دہشت زادی" اور شفق سوپوری کا ناول "فائرنگ رینج: کشمیر 1990ء" اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ زیر نظر تحقیق میں ان ناولوں میں ریاستی جبر کی عکاسی کا مطالعہ کیا گیا ہے۔

2۔ بیانِ مسئلہ

ادب جس فضا اور ماحول میں لکھا جاتا ہے اس کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اس تناظر میں مقبوضہ کشمیر میں لکھے گئے ناولوں میں اس خطے میں استبداد اور وہاں کے ماحول میں موجود جبر کی عکاسی کی گئی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ناولوں میں پیش

کیے گئے جبر یہ ماحول کا کتنا حصہ اور کون سے پہلو ریاستی جبر کے دائرے میں آتے ہیں اور ان کی عکاسی ناول نگاروں نے کس طور پر کی ہے۔

3۔ مقاصدِ تحقیق

دورانِ تحقیق درج ذیل مقاصد پیش نظر رہے ہیں:

1۔ منتخب ناولوں میں ریاستی جبر کی عکاسی کا مطالعہ کرنا

2۔ زیر تحقیق ناولوں میں جسمانی تشدد اور نفسیاتی تشدد کی عکاسی کا مطالعہ کرنا

3۔ ریاستی جبر اور تشدد کی عکاسی کے لیے ناول نگاروں کے استعمال کردہ فنی وسائل کا تجزیہ کرنا

4۔ تحقیقی سوالات

دورانِ تحقیق درج ذیل سوالات کو مدِ نظر رکھا گیا ہے؛

1۔ منتخب ناولوں میں ریاستی جبر کی مختلف صورتوں کی عکاسی کس طرح کی گئی ہے؟

2۔ منتخب ناولوں میں جسمانی تشدد اور نفسیاتی تشدد کی عکاسی کن حوالوں سے کی گئی ہے؟

3۔ ناول نگاروں نے ریاستی جبر کی عکاسی کے لیے کون کون سے فنی وسائل کا استعمال کس طور کیا ہے؟

5۔ نظری دائرہ کار

تحقیقی موضوع ریاستی جبر کی عکاسی سے متعلق ہے۔ ریاستی جبر کی اصطلاح آج کل پرنٹ، الیکٹرانک اور سوشل میڈیا کے توسط سے روزانہ ہی سننے کو ملتی ہے اور اس کے خلاف آوازیں بھی اٹھائی جاتی ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا آف انٹرپرسنل وائلنس (Encyclopedia of Interpersonal Violence) میں ریاستی جبر کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے۔

> "گروہوں، افراد یا ریاستوں کو غیر ضروری نقصان پہنچانے یا تکلیف دینے کے لیے جائز سرکاری اختیارات کا استعمال ریاستی جبر کہلاتا ہے۔"

مندرجہ بالا تعریف سے واضح ہوتا ہے کہ ریاستی جبر سے مراد "گروہوں، افراد یا ریاستوں کو غیر ضروری نقصان پہنچانے یا تکلیف پہنچانے کے لیے جائز سرکاری اختیارات کا استعمال ہے۔" اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ کوئی بھی ریاست جب اپنی رٹ بحال کرنے، امن و امان کی صورت حال برقرار رکھنے یا کسی بھی بیرونی جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لیے طاقت کا استعمال کرتی ہے تو وہ ریاستی جبر کے دائرہ اختیار میں آئے گا۔ اس کی تعریف سے مزید واضح ہوتا ہے کہ ریاستی جبر کا دائرہ اختیار تین طرح کی اکاہیوں مثلاً کسی فردِ واحد، کسی خاص گروہ یا کسی ریاست کے خلاف بھی ہو سکتا ہے۔

اگر کوئی فرد ریاست کے معاملات میں دخل اندازی کر رہا ہو، اپنی تحریر یا تقریر کے ذریعے عوام کو مشتعل کرنے کی کوشش کر رہا ہو یا ریاست کے خلاف کسی قسم کے غیر قانونی یا غیر آئینی پروپیگنڈے کا حصہ بن رہا ہو تو ایسی صورت میں ریاستی ادارے اپنی جائز طاقت اور اختیارات استعمال کرتے ہوئے اسے ریاستی قوانین کے تحت سزا دیتے ہیں تو یہ سزا ریاستی جبر کہلائے گی۔ اسی طرح ریاست کی حدود میں رہنے والا کوئی اقلیتی یا اکثریتی گروہ ریاست کے خلاف کسی قسم کے اقدامات کا مرتکب ہو رہا ہو تو اس کی سرکوبی کے لیے ریاستی ادارے حرکت میں آتے ہیں اور انہیں روکنے کے لیے طاقت کا مظاہرہ کرتے ہیں تو اس عمل کو بھی ریاستی جبر ہی شمار کیا جائے گا۔ ان گروہوں میں زیادہ تر مذہبی، سیاسی اور نسلی اقلیتوں پر جبر ہیں۔ ریاستی جبر کی تیسری بڑی صورت کسی دوسری ریاست کے خلاف طاقت کا استعمال ہے۔ ایسا تب ہوتا ہے جب کوئی ریاست کسی دوسری ریاست کے خلاف در اندازی کی مرتکب ہو رہی ہو یا کسی سازش کا حصہ بن رہی ہو تو اس کا راستہ روکنے کے لیے بھی طاقت کا استعمال کیا جاتا ہے۔ البتہ ایسی صورت ہمیشہ دوسری ریاست کے خلاف بڑی تباہی کا سبب بنتی ہے اور اس میں کئی قیمتی جانوں کا نقصان بھی ہوتا ہے۔

ریاستی جبر کی عام شکلوں میں تشدد، انسانی حقوق کی خلاف ورزی، جنگی جرائم، نسل کشی، قیدیوں سے بدسلوکی اور اقلیتوں پر جبر شامل ہیں۔

تشدد کو ریاستی جبر میں مرکزی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ عالمی ادارہ صحت نے 2002ء میں World Report on""Violence and Health" میں تشدد کی تعریف وضع کی ہے، اس کے مطابق؛

"تشدد سے مراد اپنے، کسی دوسرے شخص، کسی گروہ یابرادری کے خلاف جسمانی زور وزبردستی کا ڈرانے، دھمکانے کے لیے یا حقیقت میں دانستہ استعمال ہے کہ جس کا نتیجہ چوٹ، موت، نفسیاتی نقصان، پرورش میں نقص یا محرومی کی صورت میں نکلے۔"

اس تعریف سے واضح ہوتا ہے کہ "تشدد سے مراد جسمانی طاقت کا اپنے یا کسی دوسرے فرد، گروہ یا معاشرے کے خلاف استعمال ہے جس کے نتیجے میں زخم، موت یا نفسیاتی نقصان واقع ہو۔" اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ تشدد کسی بھی فرد یا گروہ کے خلاف طاقت کا استعمال ہے اور یہ طاقت زخم، موت یا نفسیاتی نقصان کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے۔ تشدد کا ریاستی جبر سے گہرا تعلق ہے اور جب کوئی ریاست کسی دوسری ریاست میں پر تشدد کارروائیوں میں حصہ لیتی ہے تو وہاں کی مقامی آبادی کو کس طرح جسمانی اور نفسیاتی طور پر نقصان پہنچاتی ہے، اس کا تفصیلی پس منظر فرانز فینن کی کتاب کے ترجمے "افتادگانِ خاک" کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے۔ تشدد سے متعلق سعید ساحلی کی کتاب "تشدد پس منظر و پیش منظر" میں اس کے قدیم اور جدید تصورات زیر بحث لائے گئے ہیں۔ ان تصورات میں قدیم مذاہب اور اقوام میں تشدد کی رائج مختلف صورتوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اسی طرح غالب احمد کی کتاب "تشدد تاریخی تناظر میں" بھی تشدد کی مختلف انفرادی، گروہی اور اجتماعی اقسام کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس طرح تشدد کی کئی ذیلی اقسام کی نشاندہی ہوتی ہے۔ اگر اطلاقی سطح پر ان اقسام کا جائزہ لیا جائے تو تشدد کی دو بڑی اقسام سامنے آتی ہیں۔ ان میں جسمانی تشدد اور نفسیاتی تشدد شامل ہیں۔

جسمانی تشدد اور نفسیاتی تشدد کے فرق کی وضاحت کرتے ہوئے عمران شاہد بھنڈر اپنے مضمون "تشدد کی معنویت" میں لکھتے ہیں؛"" کسی بھی جاندار کو اذیت دینے کی غرض سے اس کے جسم پر طاقت کے اطلاق کو جسمانی تشدد اور انسان کی سوچ کو تبدیل کرنے کی غرض سے اس کے دماغ پر سائنس اور تکنیک کے جبری اطلاق کے عمل کو نفسیاتی تشدد کہا جاسکتا ہے۔"

ریاستی جبر کی دیگر صورتوں میں نسل کشی کو سب سے زیادہ زیر بحث لایا جاتا ہے۔ نسل کشی سے مراد کسی گروہ کے خلاف طاقت کا وحشیانہ استعمال ہے جس کے نتیجے میں گروہ کے ارکان کے جزوی یا مکمل خاتمے کے امکانات پیدا ہوں (تفصیلات جزو ب میں)۔ اسی طرح انسانی حقوق کی خلاف ورزی بھی ریاستی جبر میں شمار کی جاتی ہے۔ تحسین جہانگیر

خان کی کتاب "تاریخِ حقوقِ انسانی اور مذاہبِ عالم" میں انسانی حقوق سے متعلق اقوام متحدہ اور دیگر اداروں اور ملکوں کے قوانین کا اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اگر کوئی ریاست اقوام متحدہ کے عالمی منشور برائے انسانی حقوق کے چارٹر میں شامل نکات کی خلاف ورزی کرتی ہے اور اپنے شہریوں کے انسانی حقوق سلب کرنے کی کوشش کرتی ہے تو اسے بھی ریاستی جبر کے زمرے میں شمار کیا جاتا ہے (تفصیلات جز وب میں)۔ اس کے علاوہ قیدیوں سے بد سلوکی کے واقعات بھی ریاستی جبر میں شامل ہیں۔ اقوام متحدہ نے قیدیوں کے بھی حقوق وضع کیے ہیں اور ان کی خلاف ورزی کو بھی جرم قرار دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اقلیتوں کے ساتھ بد سلوکی اور ان کے حقوق کی خلاف ورزی بھی ریاستی جبر کے دائرہ کار میں شامل ہیں۔

6۔ تحقیقی طریقہ کار

ناولوں کے انتخاب کے لیے تاریخی تحقیق (Historical Research) کا طریقہ کار اختیار کرتے ہوئے مقبوضہ کشمیر میں لکھے گئے ناولوں کی فہرست بنائی گئی۔ فہرست کی تیاری میں زمانی اعتبار کا خیال رکھا گیا اور 1947ء سے اب تک جتنے بھی ناولوں کے بارے میں معلومات ملتی گئیں انہیں یکجا کر کے حتمی فہرست تشکیل دی گئی۔ فہرست کی تیاری میں کشمیر کلچرل اکیڈمی، سری نگر سے شائع ہونے والے سہ ماہی رسالے "شیرازہ" کے خصوصی شمارے "جموں و کشمیر میں اردو ادب کے پچاس سال" سے استفادہ کیا گیا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر برج پریمی کی کتاب "جموں و کشمیر میں اردو ادب کی نشو و نما" اور ڈاکٹر حامدی کاشمیری کی کتاب "ریاست جموں و کشمیر میں اردو ادب" سے بھی استفادہ کیا گیا۔ اس کے علاوہ ریختہ اور دیگر ویب گاہوں پر شائع ہونے والے آرٹیکلز سے بھی مدد لی گئی۔

اگلے مرحلے میں دستاویزی طریقہ کار اختیار کرتے مقبوضہ کشمیر میں ہونے والے ریاستی جبر و تشدد کے حوالے سے مختلف دستاویزات کا جائزہ لیا گیا۔ اس ضمن میں مسئلہ کشمیر کے حوالے سے لکھی گئی مختلف کتب کا مطالعہ کیا گیا۔ ان کتب میں ولیم ڈبلیو بیکر کی کتاب "کشمیر: وادی مسرت، وادی موت" مترجمہ طاہر اسعدی، خواجہ محمد بشر بٹ کی کتاب "جموں و کشمیر کی دردناک تصویر" اور مقصود جعفری کی انگریزی کتب "Kashmir Under Siege" اور "Plight of Kashmir" بھی زیر مطالعہ رہی ہیں۔ ان کتب میں بھارتی جبر و تشدد کے متعلق مستند اعداد و شمار کا

تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔ اس کے علاوہ انسانی حقوق کی تنظیموں مثلاً (Association of Parents of Disappeared Persons APDP) کی سالانہ رپورٹ 2019ء "Torture" کو مد نظر رکھا گیا۔ اس کے علاوہ بی بی سی (BBC)، وائس آف امریکہ (VOA)، ڈی ڈبلیو (DW) اور دیگر نشریاتی اداروں، اخبارات وغیرہ کا بھی وقتاً فوقتاً مطالعہ کیا گیا۔

استقرائی تحقیق کا طریقہ کار اختیار کرتے ہوئے فہرست میں شامل ناولوں سے متعلق مختلف تحقیقی و تنقیدی مضامین کا مطالعہ کیا گیا۔ اس سلسلے میں جن دو مضامین سے ریاستی جبر کی عکاسی سے متعلق مقبوضہ کشمیر میں لکھے گئے دو ناولوں "دہشت زادی" اور "فائرنگ رینج: کشمیر 1990ء" کی نشاندہی ہوئی وہ درج ذیل ہیں۔

1۔ قدوس جاوید، پروفیسر، اکیسویں صدی میں اردو ناول، مزاج و معیار" مشمولہ: اکیسویں صدی میں اردو ناول، مرتبہ منظور حسین، قاسمی کتب خانہ، سری نگر، 2022ء

2۔ ریاض توحیدی، ڈاکٹر، دہشت زادی۔۔۔ نثری مرثیہ، مشمولہ: آبشار (سہ ماہی)، ناول صدی نمبر، اردو سخن پاکستان، لیہ، 2016ء

مندرجہ بالا مضامین کی روشنی میں ان دو ناولوں" دہشت زادی" از نعیمہ احمد مہجور اور" فائرنگ رینج: کشمیر 1990ء از شفق سوپوری "کا مطالعہ کیا گیا اور ان میں ریاستی جبر سے متعلق بیان کردہ مختلف واقعات کا جائزہ لینے کے بعد تحقیقی موضوع کے لیے انتخاب کیا گیا۔

منتخب ناولوں کے مطالعہ کے بعد ان کا موادی تجزیہ (Content Analysis) کا طریقہ کار اختیار کرتے ہوئے جائزہ لیا گیا۔ ناولوں میں بیان کیے گئے واقعات سے متعلق اہم نکات کی نشاندہی کی گئی اور اسی کے تحت تحقیقی مقالہ کے ابواب بندی کی گئی۔

ذیلی عنوانات کے تحت دونوں ناولوں میں بیان کیے گئے مختلف واقعات کا تقابل کیا گیا اور اس کی روشنی میں نتائج مرتب کیے گئے اور انہیں بیانیہ انداز میں تحریر کیا گیا۔

7۔ مجوزہ موضوع پر ما قبل تحقیق

مجوزہ موضوع کے تحت نعیمہ احمد مہجور کے ناول 'دہشت زادی' اور شفق سوپوری کے ناول 'فائرنگ رینج: کشمیر 1990ء' کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اس موضوع پر اس سے قبل کسی قسم کا رسمی یا غیر رسمی تحقیقی کام نہیں کیا گیا ہے، البتہ شفق سوپوری کی ناول نگاری کے مجموعی اجمالی حوالے سے "شفق سوپوری بحثیت ناول نگار" کے عنوان سے جموں یونیورسٹی میں ایم فل کا مقالہ لکھا گیا ہے۔ یہ مقالہ آسیہ اختر نے 2021ء میں پروفیسر شہاب عنایت ملک کی زیر نگرانی مکمل کیا۔

علاوہ ازیں اعجاز احمد کے ایم فل کے مقالے "اردو ناول میں کشمیر بطور موضوع: تحقیقی و تنقیدی جائزہ" کا ذکر کرنا ضروری ہے جو 2003ء میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے لکھا گیا ہے۔ ڈاکٹر رشید امجد کی زیر نگرانی لکھے گئے اس مقالے میں چار ابواب شامل ہیں۔ پہلا باب کشمیر اور اردو ادب: تمہیدی مباحث کے عنوان سے ہے۔ یہ باب دو ذیلی عنوانات کشمیر: جغرافیائی مطالعہ اور تاریخی پس منظر اور کشمیر: موضوعاتی اہمیت اور اصناف شعر و ادب پر مشتمل ہے۔ مقالے کا دوسرا باب کشمیر اور اردو ناول: موضوعاتی تعارف اور فنی و اسلوبیاتی جائزہ کے عنوان سے ہے۔ اس باب میں کشمیر کے حوالے سے لکھے گئے مختلف ناول نگاروں کے بتیس ناولوں کا مختصر تعارف اور اسلوب کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ان ناولوں میں اے حمید کے پانچ ناول ڈاک بنگلہ، اور چنار جلتے رہے، جنگل روتے ہیں اور کشمیر کے جانباز شامل ہیں۔ اس کے علاوہ کرشن چندر کے بھی چار ناول طوفان کی کلیاں، میری یادوں کے چنار، مٹی کے صنم اور برف کے پھول شامل ہیں۔ دیگر ناول نگاروں میں طارق اسماعیل ساگر کے دو، مقصود احمد راہی کے چار ناول شامل ہیں۔ اس کے علاوہ نسیم حجازی، ناصر بیگ چغتائی، ناصر ادیب، محمد شریف طارق، ظہور الدین بٹ، صائمہ صدیقی، شام مبارک پوری، رحیم گل، جلال انصاری، ایوب خان، ایم اسلم، انور جلال، اکرام الدین اور ابو سعید قریشی کا ایک ایک ناول بھی باب میں شامل ہے۔ تیسرے باب میں منتخب ناولوں کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اس باب میں شامل ناولوں کی تعداد آٹھ ہے جن میں چناروں کی آگ (جاویدہ جعفری)، اسی شمع کے آخری پروانے (رشیدہ رضویہ)، سری نگر 75 میل (شمس کاشمیری)، وادی لہورنگ (طارق اسماعیل ساگر)، باگھ (عبد اللہ حسین)، آگ (عزیز احمد)، شکست (کرشن چندر) اور حبہ

خاتون (نظر زیدی) شامل ہیں۔ یہ باب ان ناولوں کے مفصل جائزے پر مشتمل ہے۔ چوتھے باب میں مقالے کا محاکمہ پیش کیا گیا ہے۔ البتہ ریاستی جبر کی عکاسی کے حوالے سے ابھی تک کسی طرح کا تحقیقی کام نہیں کیا گیا ہے۔

9۔ تحدید

مجوزہ موضوع کے تحت صرف مقبوضہ کشمیر میں لکھے گئے معاصر اردو ناولوں کا انتخاب کیا گیا ہے جن کی تعداد دو ہے۔ ان میں نعیمہ احمد مہجور کا ناول " دہشت زادی" مطبوعہ 2012ء اور شفق سوپوری کا ناول " فائرنگ رینج: کشمیر 1990ء" مطبوعہ 2019ء شامل ہیں۔

10۔ پس منظری مطالعہ

موضوع کی مناسبت سے مختلف نوعیت کی کتب کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ ان میں مسئلہ کشمیر کی تاریخی اور سیاسی اہمیت سے متعلق، ریاستی جبر اور تشدد سے متعلق اور مقبوضہ کشمیر میں اردو ادب کی روایت سے متعلق کتب شامل مطالعہ رہی ہیں۔ ذیل میں ان کتب کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے:

افتادگانِ خاک

فرانز فینن فرانسیسی ماہر نفسیات، سیاسی مفکر اور مارکسی دانشور کی حیثیت سے مشہور تھے۔ فینن کی کتاب "les damnes de la terre" پہلی مرتبہ فرانسیسی زبان میں 1961ء میں منظر عام پر آئی جس کا دیباچہ ژاں پال سارتر نے لکھا تھا۔ اس کتاب کا پہلا انگریزی ترجمہ کانسٹینس فرنگٹن نے 1963ء میں "Wretched of the Earth" کے نام سے کیا۔ بعد ازاں دوسری بار انگریزی ترجمہ رچرڈ فلکاکس نے 2004ء میں کیا۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ " افتادگانِ خاک" کے نام سے سجاد باقر رضوی نے کیا۔

اس کتاب میں نو آبادیاتی عہد میں فرانسیسی نو آباد کاروں کے ہاتھوں الجزائر کے مقامی لوگوں پر ہونے والے جبر و تشدد اور اس کے اسباب سے متعلق سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ کتاب میں شامل دو طویل مضامین "کچھ تشدد کے بارے میں" اور اسی طرح دوسرا مضمون " تشدد کا بین الاقوامی پس منظر" میں تشدد کی نوعیت، اس کی اطلاقی صورتوں اور مقامی

آبادی پر اس کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ کتاب کے آخر میں "نو آبادیاتی جنگیں اور ذہنی امراض" کے عنوان کے تحت مقامی باشندوں پر نو آبادکاروں کے ہاتھوں ہونے والے تشدد سے پیدا ہونے والے نفسیاتی امراض سے متعلق واقعات کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ کس طرح نو آبادکاروں کے تشدد سے مقامی آبادی مختلف ذہنی الجھنوں کا شکار ہوتی ہے۔

اس کتاب میں صرف نو آبادیاتی عہد میں تشدد کی رائج صورتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اور یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ کس طرح نو آبادیاتی عہد میں نو آبادکار مقامی آبادی کو تشدد کا نشانہ بناتے ہیں۔

تشدد تاریخی تناظر میں

غالب احمد کی کتاب "تشدد تاریخی تناظر میں" تشدد کے بنیادی مفاہیم، اسباب اور اقسام کو سمجھنے کے لیے انتہائی اہم ہے۔ کتاب میں "تشدد اور جدید نفسیات" کے عنوان کے تحت تشدد کے نفسیاتی پہلوؤں کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے اور ان عوامل کی نشاندہی کی گئی ہے جو انسانوں میں تشدد کی طرف راغب ہونے کا سبب بنتے ہیں۔ دوسرے باب "تشدد کی نوعیت اور اس کے اجزائے ترکیبی" میں تشدد کی مختلف صورتوں اور اقسام کا تفصیلی پس منظر بیان کیا گیا ہے۔ اس باب میں تشدد کے مقاصد، اس کے اہداف اور وسائل یعنی طریقوں سے متعلق سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اسی طرح تشدد کی اقسام کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔ اگلا باب "انفرادی تشدد کے چند اہم پہلو اور اقسام" کے عنوان سے ہے۔ اس باب میں انفرادی تشدد کی تین صورتوں جنسی تشدد، عورتوں پر تشدد اور بچوں پر تشدد کو زیر بحث لایا گیا ہے اور معاشرے میں موجود تشدد کی ان اقسام کی مثالیں بھی پیش کی گئی ہیں۔ اگلا باب "تشدد کا اجتماعی پہلو اور اس کے تین روپ" کے عنوان سے ہے اور اس میں تشدد کی اجتماعی صورتوں مثلاً نسلی اور لسانی تشدد، مذہبی اور فرقہ وارانہ تشدد اور سیاسی تعصب پر مبنی تشدد کے دائرہ کار پر مختصر مگر مفصل گفتگو کی گئی ہے۔ اس کے بعد تشدد کے عالمی پس منظر اور جنوبی ایشیا میں رائج اس کی مختلف شکلوں کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

یہ کتاب مجموعی طور پر تشدد کی نوعیت اور اس کے نفسیاتی پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔اس کے علاوہ اس میں تشدد کی بنیادی اقسام کا تعارف بھی پیش کیا گیا ہے۔ لیکن تشدد کو کسی خاص معاشرے یا علاقے سے نہیں جوڑا گیا ہے تاہم پاکستان میں تشدد پر مبنی مختلف واقعات کا سرسری جائزہ لیا گیا ہے۔

تشدد (پس منظر و پیش منظر)

سعید ساحلی کی کتاب تشدد پس منظر و پیش منظر 1992 میں شائع ہوئی۔اس کتاب میں تشدد کے قدیم اور جدید تصورات زیر بحث لائے گئے ہیں۔قدیم اقوام اور مذاہب میں تشدد کی مختلف رائج صورتوں کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ تشدد اور معاشرے میں اس کی موجودہ اقسام کا تذکرہ بھی کتاب میں شامل ہے۔قدیم اقوام مثلاً یونان اور مصر میں تشدد کی کون کون سی صورتیں رائج رہی ہیں اور کس طرح کے جرائم پر کس قسم کی سزائیں تجویز کی جاتی تھیں، ان کا احوال اس کتاب میں شامل ہے۔ اسی طرح کچھ مذاہب مثلاً یہودیت اور عیسائیت وغیرہ میں بھی تشدد کی مختلف صورتوں کا سرسری جائزہ پیش کیا گیا ہے۔کتاب میں پاکستان میں تشدد کی صورت حال کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

تاریخِ جرم و سزا

امداد صابری کی اس کتاب کا پہلا ایڈیشن 1945ء میں دہلی سے شائع ہوا۔ دو جلدوں پر مشتمل اس ضخیم کتاب میں قدیم اور جدید عہد میں جرم اور سزا کے تعلق کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے۔ جلد اول میں قدیم زمانے میں سزاؤں کی مختلف شکلوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جلد دوم میں ابتدائی جرم و سزا کے تصورات، عیسوی عہد میں جرم اور سزا کی صورتوں کے ساتھ ساتھ زمانہ جاہلیت اور اسلام کے بعد سزا کے مختلف پہلوؤں کی تفصیلات زیر بحث لائی گئی ہیں۔ اسی طرح مختلف بادشاہوں کے ہاں مختلف قسم کے جرائم کی سزا کی نوعیت اور شدت کے بارے میں بھی تفصیلات درج ہیں۔ مجموعی طور پر یہ کتاب زمانہ قدیم سے لے کر انیسویں صدی کے وسط تک مختلف اقسام کے جرائم اور ان پر دی جانی والی سزاؤں کا تفصیلی احوال بیان کرتی ہے۔اس کتاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی قوم یا مذہب میں رائج جرم اور سزا کا تصور کسی دوسری قوم یا مذہب سے کس طرح مختلف ہے۔ نیز یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ تشدد اور سزاؤں کا قدیم تصور آج کے دور جدید سے کس طرح مختلف ہے اور کون کون سی صورتیں آج بھی رائج ہیں۔

تاریخ حقوقِ انساں و مذاہبِ عالم

تحسین جہانگیر خان کی یہ کتاب پہلی مرتبہ 2010ء میں شائع ہوئی۔ بعد ازاں اس کا دوسرا ایڈیشن 2017ء میں کراچی سے شائع ہوا۔ اس کتاب میں انسانی حقوق کی تاریخ اور مختلف مذاہب مثلاً اسلام، یہودیت، عیسائیت، ہندو مت، بدھ مت، زرتشت، جین مت اور سکھ مت سمیت کنفیوشزم میں بھی انسانی حقوق کی مختلف صورتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ قدیم یونان اور روم میں انسانی حقوق کی رائج صورتوں کا مفصل احوال بھی کتاب میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ مختلف ممالک مثلاً امریکہ، برطانیہ اور فرانس میں انسانی حقوق کی صورتوں کا بھی تفصیلی تعارف بیان کیا گیا ہے۔ اسلام میں انسانی حقوق کے منشور کی اٹھائیس شقوں کے علاوہ اقوام متحدہ کے عالمی منشور برائے انسانی حقوق کی تمام شقوں کا تفصیلی تعارف بھی کتاب کا حصہ ہے۔

ریاست جموں و کشمیر میں اردو ادب

حامدی کاشمیری شاعر، افسانہ نگار، ناول نگار، نقاد، محقق اور اردو ادب کے استاد کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔ آپ کی کتاب "ریاست جموں و کشمیر میں اردو ادب" بھی پس منظری مطالعہ کے طور پر شامل رہی۔ 1991ء میں گلشن پبلشرز سری نگر سے شائع ہونے والی اس کتاب میں ریاست جموں و کشمیر میں اردو کے آغاز و ارتقاء کے بارے میں انتہائی اہم اور بنیادی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ کشمیر اردو کا مرکز کیسے بنا اور کشمیر کے حوالے سے لکھی گئی کتب کا سرسری تذکرہ بھی کتاب میں شامل ہے۔ دیگر ابواب میں ریاست جموں و کشمیر میں اردو نثر اور اردو شاعری کا تفصیلی منظر نامہ پیش کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں کشمیر کے چند اہم نثر نگاروں اور شاعروں کا شخصی اور ادبی احوال بھی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ کتاب میں جن نامور کشمیری ادیبوں کے احوال و آثار بیان کیے گئے ہیں، ان میں طالب کاشمیری، کشن سمیل پوری، رسا جاودانی، میر غلام رسول نازکی، شہ زور کاشمیری، غ م طاؤس، تنہا انصاری، شیخ غلام علی بلبل کاشمیری اور پریم ناتھ پردیسی شامل ہیں۔

جموں و کشمیر میں اردو ادب کی نشو و نما

ڈاکٹر برج پریمی کی کتاب "جموں و کشمیر میں اردو ادب کی نشو و نما" کشمیر میں اردو ادب کے آغاز و ارتقاء سے لے کر بیسویں صدی کے آخری عشرے تک کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ 1992ء میں دیپ پبلی کیشنز سری نگر سے شائع ہونے والی اس کتاب میں مجموعی طور پر آٹھ ابواب ہیں۔ جموں و کشمیر میں اردو نثر، افسانہ، ناول، ڈراما، تنقید اور صحافت کے بارے میں مکمل تعارف اور اہم لکھنے والوں کی ادبی خدمات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ترقی پسند تحریک نے کشمیر کے ادبی منظر نامے کو کس طرح متاثر کیا اور اس کے اثرات کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ریاستی کلچرل اداروں کی ادبی خدمات اور ریاست کے تمدنی اداروں کا تفصیلی احوال بھی دو الگ الگ ابواب میں پیش کیا گیا ہے۔ کتاب کے آخر میں کشمیر کے نمائندہ اردو ادب کے تخلیقی فن کاروں کا مختصر تعارف اور ان کی ادبی خدمات کا فرداً فرداً جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر پریمی نے جن کشمیری ادیبوں کے احوال و آثار اور ادبی خدمات کا جائزہ پیش کیا ہے، ان میں ہر گوپال خستہ، سالک رام سالک، محمد الدین فوق، طالب کاشمیری، کشپ بندھو، رسا جاودانی، عبد الاحد آزاد، پریم ناتھ بزاز، ملک راج صراف، پریم ناتھ پردیسی، میر غلام رسول نازکی، حبیب کیفوی، کشمیری لال ذاکر، تیج بہادر بھان، حامدی کاشمیری اور پشکر ناتھ شامل ہیں۔ بحثیت مجموعی ڈاکٹر پریمی کی کتاب ڈاکٹر حامدی کاشمیری کی کتاب سے زیادہ مفصل اور موضوعات کی وسعت کی وجہ سے اہمیت کی حامل ہے۔

کشمیر میں اردو نثر کا تحقیقی مطالعہ (1877ء تا 1996ء)

یہ ممتاز احمد خان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے جو 2001ء میں سندھ یونیورسٹی جامشورو سے ڈاکٹر مصطفٰی خان کی زیر نگرانی لکھا گیا۔ یہ مقالہ مجموعی طور پر سات ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب کشمیر کے تعارف اور اردو زبان سے قبل کشمیر کی لسانی صورت حال کے حوالے سے ہے۔ دوسرے باب میں کشمیر میں اردو کی آمد اور اس کے اسباب و عوامل کا تفصیلی تذکرہ ہے۔ باب سوم ہندوستان میں انیسویں صدی میں اردو نثر کے جائزے سے متعلق ہے۔ مقالے کا چوتھا، پانچواں اور چھٹا باب بالترتیب صوبہ کشمیر، صوبہ جموں اور مقبوضہ پونچھ و آزاد کشمیر میں اردو نثر کے تفصیلی احوال سے متعلق

ہے۔ ان ابواب میں ان علاقوں میں لکھی جانے والی نثر کی نوعیت اور اہم لکھنے والوں کے تخلیقی کارناموں کا مکمل منظر نامہ پیش کیا گیا ہے۔ مقالے کے ساتویں اور آخری باب میں کشمیر میں اردو صحافت کی تفصیلات درج ہیں۔

شیرازہ (جموں و کشمیر میں اردو ادب کے پچاس سال)

ماہنامہ شیرازہ، جموں اینڈ کشمیر کلچرل اکیڈمی سری نگر سے نکلنے والا ایک اہم رسالہ ہے۔ 1997ء میں اس رسالے نے جموں و کشمیر میں اردو ادب کے پچاس سال پورے ہونے پر ایک خصوصی شمارہ نکالا۔ اس شمارے میں جموں و کشمیر کے مختلف ادیبوں کے مضامین شائع کیے گئے۔ ان مضامین میں جموں و کشمیر میں اردو تحقیق، تنقید، صحافت، علاقائی زبانوں کے ادب، ناول، افسانے، ڈرامے، سفر نامے اور شاعری کا پچاس سالہ تعارف بیان کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ تحقیق سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے انتہائی اہم دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ البتہ اس رسالے میں صرف بھارتی مقبوضہ جموں و کشمیر میں اردو ادب کی صورت حال پیش کیا گیا ہے جبکہ آزاد کشمیر کے لکھنے والوں کا تذکرہ اس میں شامل نہیں ہے۔

11۔ تحقیق کی اہمیت

مقبوضہ کشمیر میں بھارت کے غاصبانہ قبضے کو سات دہائیوں سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے۔ اس دوران بھارتی سکیورٹی فورسز کی جانب سے مختلف جبری ہتھکنڈوں مثلاً کرفیو، شناخت پریڈ، کریک ڈاؤن اور گھر گھر تلاشی کے دوران اکثر مقامی آبادی کو جسمانی اور نفسیاتی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے۔ بھارتی سکیورٹی فورسز کی ان ظالمانہ کارروائیوں کو الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ذریعے پوری دنیا میں اجاگر کیا جاتا رہا ہے، جس کا اظہار مقبوضہ کشمیر میں لکھے گئے اردو ادب بالخصوص ناولوں میں بھی نظر آتا ہے۔ مقبوضہ کشمیر میں لکھے گئے اردو ناولوں میں پیش کردہ ریاستی جبر کی عکاسی کے مطالعہ سے وہاں کی حقیقی صورت حال سامنے لانے میں مدد مل سکتی ہے۔ علاوہ ازیں اس تحقیق سے کشمیریوں پر ہونے والے جسمانی تشدد اور نفسیاتی تشدد کی مختلف صورتوں کو بھی سامنے لایا جاسکتا ہے۔

ب۔ جسمانی تشدد اور نفسیاتی تشدد

1۔ ریاستی جبر: بنیادی مباحث

جبر کے لفظی معانی زیادتی، سختی، بے رحمی، زبردستی، سینہ زوری، ظلم و ستم اور جوروجفا وغیرہ کے ہیں۔ (۱) عمومی طور پر ہر اس عمل کو جبر کہا جاتا ہے جو کسی شخص کو زور و زبردستی کرنے پر مجبور کیا جائے یا اس کی مرضی کے خلاف کیا جائے۔

ریاستی جبر کی تعریف

انسائیکلوپیڈیا آف انٹرپرسنل وائلنس (Encyclopedia of Interpersonal Violence) میں ریاستی جبر کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے۔

> "گروہوں، افراد یا ریاستوں کو غیر ضروری نقصان پہنچانے یا تکلیف دینے کے لیے جائز سرکاری اختیارات کا استعمال ریاستی جبر کہلاتا ہے۔" (۲)

مندرجہ بالا تعریف کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ ریاستی جبر سے مراد کسی بھی ریاست کے وہ عملی اقدامات ہیں جن سے کسی فرد، گروہ مثلاً نسلی، سیاسی اور مذہبی مخالفین اور کسی دوسری ریاست کو کسی بھی طرح کا نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ اس میں مخالفین کا قتل عام، انہیں قید کرنا، تشدد کا نشانہ بنانا اور دیگر غیر انسانی سلوک روا رکھنا وغیرہ شامل ہیں۔ علاوہ ازیں انہیں نسلی، مذہبی اور سیاسی وابستگی کی بنیاد پر تعصب اور انتقام کا نشانہ بنانا بھی ریاستی جبر میں شمار کیا جاتا ہے۔

ریاستی جبر کی مختلف اقسام

ریاستی جبر کی اقسام میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی، جنگی جرائم، نسل کشی، تشدد، قیدیوں سے بدسلوکی اور اقلیتوں پر جبر شامل ہیں۔ ذیل میں ان اقسام کا مختصر تعارف اور پس منظر پیش کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان اقسام کی مزید ذیلی صورتوں کا بھی مختصر تعارف اور دنیا میں اس کی مثالیں بھی پیش کی گئی ہیں۔

1۔انسانی حقوق کی خلاف ورزی(Human Rights Violation)

ہر انسان خواہ وہ کسی بھی ملک، مذہب، رنگ، نسل یا ذات سے تعلق رکھتا ہو اسے بنیادی انسانی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔اقوام متحدہ نے 10 دسمبر 1948ء کو بنیادی انسانی حقوق کے حوالے سے اہم نکات وضع کیے جسے عالمی منشور برائے انسانی حقوق کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔اس عالمی منشور کے اہم نکات کا سر سری جائزہ لیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ کون کون سے بنیادی انسانی حقوق ہر فرد کو حاصل ہوتے ہیں اور ان کی خلاف ورزی کس نوعیت کی ہوتی ہے۔

تمام انسان آزاد اور مساوی حقوق کے حقدار ہیں اور انہیں بغیر کسی رنگ، نسل، جنس، مذہب اور سیاسی امتیاز کے ان تمام حقوق کے حصول کی آزادی حاصل ہے جو اقوام متحدہ نے متعین کیے ہیں۔(۳) اگر کوئی ریاست اپنے کسی شہری کے یہ بنیادی حقوق سلب کرنے کی کوشش کرتی ہے جن میں اس کے خلاف نسلی، مذہبی یا سیاسی بنیاد پر تعصب اور نفرت کا اظہار شامل ہو تو یہ اقوام متحدہ کے متعین کردہ انسانی حقوق کے منشور کی خلاف ورزی میں شمار کیا جائے گا۔

کسی بھی شخص کو اپنی زندگی کے تحفظ کا پورا حق حاصل ہے اور اسے غلام نہیں بنایا جا سکتا۔نہ ہی اقوام متحدہ کا عالمی منشور غلاموں کی خرید و فروخت کی اجازت دیتا ہے۔اگرچہ اب پوری دنیا میں غلاموں کی اس طرح خرید و فروخت یا قدیم دور کے غلامانہ نظام کی مثالیں کم ہی ملتی ہیں مگر بحثیت مجموعی کسی قوم کو سیاسی، سماجی، معاشی اور مذہبی سطح پر اپنے زیر اختیار رکھ کر اس کی آزادی سلب کرنے کا نظام اب بھی موجود ہے۔نوآبادیاتی نظام کے خاتمے کے بعد اکثر ممالک نے رسمی طور پر آزادی تو حاصل کر لی ہے مگر اب بھی سرمایہ دار اور دیگر بڑے ممالک نے اپنی معاشی جکڑ بندیوں میں کئی ممالک کو لپیٹ میں لے رکھا ہے۔اس قسم کی انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں عموماً اجتماعی سطح پر ہوتی ہیں جہاں کسی ملک کی عوام کا استحصال کیا جاتا ہے۔

اقوام متحدہ کے منشور کے مطابق کسی بھی شخص کو انسانیت سوز اور ذلت آمیز ظلم و تشدد کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا اور نہ ہی اس کے ساتھ کسی قسم کا غیر اخلاقی سلوک روا رکھا جائے گا۔(۴) انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں میں تشدد کا استعمال سب سے زیادہ کیا جاتا ہے۔ریاستی جبر کا سب سے موثر ہتھیار تشدد ہے۔ریاستی ادارے کسی بھی فرد کو

حراست میں لے کر جسمانی اور نفسیاتی تشدد کا نشانہ بناتے ہیں۔ پوچھ گچھ اور انٹروگیشن کے نام پر کئی کئی ہفتے اور بعض اوقات مہینوں حراستی مراکز میں قید رکھا جاتا ہے اور تشدد کیا جاتا ہے۔

قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔ اگر کسی فرد کو کسی بھی قسم کے فوجداری مقدمے کا سامنا ہو تو اسے عدالت تک رسائی کا حق حاصل ہے۔ اسے اس وقت تک سزا نہیں دی جا سکتی جب تک کہ اس ملک کی اعلیٰ عدلیہ اسے منصفانہ عدالتی کارروائی کے بعد مجرم ثابت نہیں کر دیتی۔(۵) اگر ریاستی ادارے کسی شہری کو کسی بھی الزام میں گرفتار کریں تو اسے اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے عدالت تک رسائی نہ دیں اور حراست کے دوران ہی پوچھ گچھ کرتے رہیں، تشدد کر کے جان سے مار دیا جائے تو یہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی شمار کیا جائے گا۔ اس قسم کی کارروائی کو ماورائے عدالت قتل کا نام دیا جاتا ہے۔ ریاستی جبر کے اہم ہتھکنڈوں میں ماورائے عدالت قتل بھی شامل ہے جو کہ بنیادی انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزی ہے۔

اقوام متحدہ کا عالمی منشور تمام انسانوں کو آزادی اظہار کا حق دیتا ہے۔ کسی بھی شہری پر ریاست پابندی نہیں لگا سکتی کہ وہ اپنے نظریات اور خیالات کی ترویج نہ کرے۔(۶) اسی طرح کسی بھی فرد کو اپنے مذہبی اور سیاسی حقوق کے لیے آواز بلند کرنے سے روکا نہیں جا سکتا۔ تاہم اکثر جمہوری ممالک میں بھی اس قسم کے واقعات سامنے آتے رہتے ہیں جہاں ریاست کی جانب سے آزادی اظہار پر پابندی لگائی جاتی ہے اور لوگوں کو محض اس جرم میں گرفتار کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے خیالات اور نظریات کا آزادانہ اظہار کیوں کرتے ہیں۔ اگر کوئی ریاست اپنے شہریوں کو ان بنیادی انسانی حقوق کی آزادی نہیں دیتی تو یہ اقوام متحدہ کے عالمی منشور برائے انسانی حقوق کی خلاف ورزی میں شمار کیا جائے گا۔

2۔ اقلیتوں پر جبر (Oppression on Minorities)

اقوام متحدہ کے عالمی منشور کے مطابق ہر شخص کو اپنے مذہبی عقائد کے مطابق زندگی گزارنے، اپنی عبادت گاہوں میں جانے اور اپنے عقائد کے تحفظ کا حق حاصل ہے۔ کسی بھی ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ملک میں بسنے والی تمام اقلیتوں کے حقوق کی ضامن ہو، انہیں مذہبی آزادی دی جائے اور ان کے مذہبی مقامات کو محفوظ بنایا جائے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی نسلی یا ثقافتی اقدار کی حامل اقلیت بھی کسی ملک میں رہائش پذیر ہو تو اس کے ثقافتی اور

تہذیبی ورثے کی حفاظت کی ذمہ داری بھی ریاست پر عائد ہوتی ہے۔اقوام متحدہ کے اس منشور کی دفعہ دو میں بالخصوص رنگ و نسل اور مذہب کے امتیاز کے بغیر تمام انسانوں کے مساوی حقوق کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے۔

> " ہر شخص کسی بھی قسم کے امتیاز جیسے نسل، رنگ، جنس، مذہب، سیاسی یا دیگر رائے، قومی یا معاشرتی اصول، جائیداد، پیدائشی یا کسی دیگر حیثیت کے بغیر اس اعلامیہ میں مذکورہ تمام حقوق اور آزادی کا مستحق ہے۔"(۷)

البتہ اقوام متحدہ کے عالمی منشور کی واضح نشاندہی کے باوجود کچھ ممالک میں اقلیتوں کے حقوق کے حوالے سے آوازیں اٹھتی رہتی ہیں۔عام طور پر جن اقلیتوں کو اکثریت کے مقابلے میں استحصال کا سامنا رہتا ہے ان میں مذہبی، نسلی اور سیاسی اقلیتوں پر جبر شامل ہیں۔

مذہبی اقلیتوں پر جبر

اگر کسی ملک یا علاقے میں کسی ایک مذہب یا فرقے کے افراد کی تعداد دوسرے فرقے کی نسبت کم ہو تو وہاں اقلیتی فرقے کے مذہبی مقامات کو نقصان پہنچانے، نئے مذہبی مقامات کی تعمیر اور توسیع کی اجازت نہ ملنے، اقلیتی افراد کو قتل کرنے، جان سے مارنے کی دھمکی ملنے اور بعض اوقات جبری مذہبی تبدیلی کے واقعات زیادہ رونما ہوتے ہیں۔اور اکثر ایسے واقعات میں ریاست ملوث ہوتی ہے۔مذہبی اقلیتوں پر جبر کی عام مثالوں میں بھارت میں بابری مسجد شہید ہونے کا واقعہ اور گجرات میں مسلمانوں کا قتل عام شامل ہیں۔اسی طرح فلسطینی مسلمانوں کو اسرائیلی فورسز کی جانب سے مسجد اقصیٰ میں نماز کی ادائیگی سے روکنا بھی ریاستی جبر کی بدترین مثال ہے۔

نسلی اقلیتوں پر جبر

دنیا کے تقریباً ہر ملک میں مختلف رنگ و نسل کے لوگ آباد ہوتے ہیں۔اگر کسی ملک میں کسی نسل کے لوگ تعداد میں دوسری نسل سے کم ہوں تو انہیں اکثر ریاستی سطح پر بھی استحصال کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔انہیں سرکاری ملازمتوں میں کم سے کم مواقع دیے جاتے ہیں۔ان کے رسوم و رواج اور ثقافت کے خلاف بھی پروپیگنڈے کیے جاتے ہیں۔اسی طرح ان کی حب الوطنی کو بھی مشکوک بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔اس کی عام مثال برما میں مقیم روہنگیا مسلمانوں کی ہے

جنہیں اکثر برمی حکومت کی جانب سے تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور ان کی شہریت ختم کرنے کے اقدامات بھی کیے جاتے ہیں۔ حال ہی میں بھارت میں ہونے والے منی پور فسادات بھی اس کی بدترین مثال ہیں جہاں کی کُکی اور ناگا نسل کے عیسائی باشندوں کو انتہا پسند ہندو اکثریت کی جانب سے قتل عام کا سامنا ہے۔(۸)

سیاسی اقلیتوں پر جبر

ہر ملک میں سیاسی جماعتیں ملک کے جمہوری نظام کا حصہ ہوتی ہیں۔ کچھ سیاسی جماعتوں کے کارکنوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے جبکہ کچھ جماعتوں کے کارکن تعداد میں کم ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جو سیاسی جماعت اقتدار میں ہوتی ہے وہ مخالفین کو تشدد کا نشانہ بناتی ہے، انہیں جھوٹے مقدمات بنا کر جیلوں میں قید کر دیتی ہے جبکہ کئی لوگوں کو ماورائے عدالت قتل بھی کروا دیتی ہے۔ آمرانہ دور حکومت میں اس طرح کے بہیمانہ اقدامات مخالفین کو تشدد کا نشانہ بنانے کے لیے اکثر پیش آتے رہتے ہیں۔ بنگلہ دیش میں جماعت اسلامی کے کارکنوں کو جیلوں میں ڈالنا اور انہیں پھانسی دینا سیاسی مخالفین پر جبر کے ذیل میں شمار کیا جاتا ہے۔

3۔ قیدیوں سے بدسلوکی(Prisoners Abuse)

ریاستی جبر میں قیدیوں کے ساتھ بدسلوکی کے واقعات اکثر رونما ہوتے رہتے ہیں۔ عام طور پر سیاسی مخالفین اور آزادی پسند رہنماؤں کو بغیر کسی مقدمہ کے کسی جھوٹے الزام میں حراست میں لیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اسے نامعلوم حراستی مرکز یا عقوبت خانے منتقل کر کے پوچھ گچھ کا آغاز کیا جاتا ہے۔ اس دوران ناکردہ جرائم کے اقرار پر زور دیا جاتا ہے اور جسمانی اور نفسیاتی تشدد کے مختلف طریقے استعمال کیے جاتے ہیں۔ انہیں مناسب کھانا پینا نہیں دیا جاتا اور نہ ہی نیند کرنے دی جاتی ہے۔ بعض اوقات انتہائی چھوٹے اور تاریک کمرے میں قید تنہائی میں ڈال دیا جاتا ہے۔

4۔ نسل کشی(Genocide)

نسل کشی کے لیے انگریزی میں (Genocide) کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ یہ لفظ سب سے پہلے ایک پولش ماہر قانون رافیل لیمکن نے اپنی کتاب Axis Rule in Occupied Europe میں 1944ء میں استعمال کیا۔

رافیل لیمکن نے یہ اصطلاح یونانی زبان کے لفظ(Genose) بمعنی قبیلہ یا نسل اور لاطینی زبان کے لفظ(Cide) بمعنی قتل کرنا سے ملا کر وضع کی۔ اقوام متحدہ نے 1946ء میں نسل کشی کو بین الاقوامی جرم تسلیم کیا۔ اقوام متحدہ نے 1948ء کے جینوسائیڈ کنونشن میں پہلی مرتبہ نسل کشی کی تعریف وضع کی جس کے مطابق؛

"ذیل میں بیان کیے گئے کسی بھی عمل کا اس ارادے سے اطلاق کرنا کہ کسی قومی، علاقائی، نسلی یا مذہبی گروہ کی مکمل یا جزوی تباہی مثلاً (الف) کسی گروہ کے ارکان کو قتل کرنا؛(ب) گروہ کے ارکان کو شدید جسمانی یا نفسیاتی نقصان پہنچانا؛(ج) گروہ کے لیے دانستہ ایسے حالات پیدا کرنا جن سے اس کی مکمل یا جزوی تباہی کا امکان ہو؛(د) گروہ کے اندر بچوں کی پیدائش روکنے کے اقدامات کرنا؛(ہ) کسی گروہ کے بچوں کی جبری طور پر کسی دوسرے گروہ میں منتقلی وغیرہ نسل کشی کے دائرے میں شمار ہو گی۔"(۹)

نسل کشی کی مندرجہ بالا تعریف کی روشنی میں اس کے ممکنہ عوامل درج ذیل ہو سکتے ہیں؛

1۔ کسی گروہ کے لوگوں کو جان سے مارنا۔

2۔ گروہ کے ارکان کو شدید جسمانی اور نفسیاتی نقصان پہنچانا۔

3۔ گروہ کے ارکان کے لیے عملاً ایسے اقدامات کرنا جو کلی یا جزوی طور پر اس گروہ کی تباہی کا سبب بنے۔

4۔ کسی گروہ کے اندر بچوں کی پیدائش روکنے کی کوشش کرنا۔

5۔ کسی گروہ کے بچوں کو جبری طور پر دوسرے گروہ میں منتقل کرنا۔

ریاستی جبر کی سب سے بدترین شکل نسل کشی ہے۔ اس کی کئی مثالیں موجود ہیں، مثلاً ہٹلر کے عہد میں نازی جرمن فوجیوں نے یہودیوں کی نسل کشی کی۔(۱۰) 1904 سے 1908 کے دوران جرمن نو آباد کاروں نے نیمبیا کے قدیم قبائل ناما اور ہریرو کے ہزاروں افراد کو موت کے گھاٹ اتارا۔ اسی طرح 1915 سے 1920 کے درمیان عثمانی ترکوں کی جانب سے آرمینی باشندوں کی نسل کشی، روانڈا میں قتل عام، 1992 سے 1995 تک بوسنیا میں سرب فوج کی جانب سے مسلمانوں کا قتل عام(۱۱) اور چین میں بھی ایغور مسلمانوں کو نسل کشی کا سامنا ہے۔(۱۲)

2۔ تشدد مفہوم اور اقسام

تشدد کے لغوی معنی سختی کرنا، کسی کام کا دشوار ہونا اور زیادتی کے ہیں۔(۱۳) عالمی ادارہ صحت نے تشدد کی تعریف وضع کرتے ہوئے لکھا ہے؛

> " اپنے، کسی دوسرے شخص، یا کسی گروہ یا برادری کے خلاف جسمانی زور و زبردستی کا ڈرانے دھمکانے کے لیے یا حقیقت میں دانستہ استعمال کہ جس کا نتیجہ چوٹ، موت، نفسیاتی نقصان، پرورش میں نقص یا محرومی کی صورت میں نکلے تشدد کہلاتا ہے۔"(۱۴)

انسائیکلوبریٹانیکا میں تشدد کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے۔

> " تشدد سے مراد جسمانی طاقت کا ایسا عمل ہے جو نقصان پہنچانے کے ارادے سے کیا جائے یا اس کا سبب بنے۔ تشدد سے ہونے والا نقصان جسمانی ، نفسیاتی یا دونوں طرح کا ہو سکتا ہے۔"(۱۵)

جبکہ غالب احمد تشدد کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛

> " انفرادی یا اجتماعی سطح پر کوئی ایسا غیر متوازن عمل یا حرکت جو کسی دوسرے فرد یا گروہ کو فکری، جذباتی یا جسمانی اضطراب، تشویش یا دکھ کی کیفیت میں مبتلا کر دے، وہ تشدد کہلائے گا۔"(۱۶)

تشدد کی مندرجہ بالا تعریفوں کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ کسی فرد یا گروہ کا کوئی بھی ایسا فعل جو کسی دوسرے فرد یا گروہ کو جسمانی، نفسیاتی یا جذباتی طور پر نقصان پہنچائے تشدد کہلاتا ہے۔ کسی فرد کو جسمانی طور پر ایسے نقصان پہنچانا کہ اسے درد، زخم یا اس کی موت واقع ہونے کا امکان ہو تشدد کے ذیل میں شمار کیا جائے گا۔ اسی طرح کسی فرد کو کسی ایسی بات سے رنجیدہ کرنا کہ اس کے لیے شدید صدمے کا باعث بنے یا ذہنی دباؤ اور نفسیاتی نقصان کا اندیشہ ہو وہ بھی تشدد ہی کے زمرے میں شامل کیا جائے گا۔ نیز کسی شخص کے جذبات مجروح کرنے کے لیے ایسے الفاظ یا جملے استعمال کرنا جو اس

کے لیے تکلیف کا باعث ہوں تشدد ہی کہلائے گا۔ عالمی ادارہ صحت نے تشدد کی تین بڑی اقسام وضع کی ہیں۔ ان میں خود ساختہ تشدد، بین الشخصی تشدد اور اجتماعی تشدد شامل ہیں۔ ذیل میں تشدد کی ان اقسام کا مختصر تعارف بیان کیا گیا ہے۔

1۔ خود ساختہ تشدد (Self Directed Violence)

عالمی ادارہ صحت نے اس قسم کے تشدد کے لیے "Self-Directed Violence" کی اصطلاح وضع کی ہے۔ تشدد کی یہ قسم کسی بھی انسان کے خود کو اذیت دینے کے رویے سے متعلق ہے، مثلاً خودکشی کی کوشش کرنا اور اپنے آپ کو تکلیف پہنچانے کے مختلف طریقے اختیار کرنا وغیرہ۔(۱۷) بعض اوقات انسان کسی دوسرے شخص کے نا مناسب رویے پر دل برداشتہ ہو کر انتہائی قدم اٹھاتا ہے اور خود کو تکلیف پہنچانے کا باعث بنتا ہے۔ بھوک ہڑتال اس کی عام مثال ہے۔

2۔ بین الشخصی تشدد (Interpersonal Violence)

بین الشخصی تشدد کے لیے "Interpersonal Violence" کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ اس قسم کا تشدد دو یا دو سے زائد افراد کے درمیان ہو سکتا ہے۔ اس کو مزید دو ذیلی اقسام خاندانی تشدد (Family and Intimate Partner Violence) اور گروہی تشدد (Community Violence) میں تقسیم کیا گیا ہے۔(۱۸)

(i)۔ خاندانی تشدد۔ خاندانی تشدد میں عموماً گھریلو تشدد بالخصوص میاں بیوی کے درمیان ہونے والا تشدد، بچوں اور بزرگوں پر ہونے والا تشدد شامل ہے تشدد کی اس شکل کا اطلاق زیادہ تر گھر کے اندر ہی ہوتا ہے۔(۱۹)

(ii)۔ گروہی تشدد۔ گھر سے باہر کسی بھی جگہ پر پائے جانے والے پر تشدد واقعے کو گروہی تشدد کہا جاتا ہے۔ تشدد کی یہ قسم دو یا دو سے زائد اجنبی افراد کے درمیان ہونے والی پر تشدد کارروائی ہے۔(۲۰)

3۔ اجتماعی تشدد (Collective Violence)

اس قسم کے تشدد کے لیے "Collective Violence" کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ اس کو مزید تین ذیلی اقسام سماجی (Social)، سیاسی (Political) اور معاشی (Economical) تشدد میں تقسیم کیا گیا ہے۔(۲۱)

(i)۔ سماجی تشدد: سماجی تشدد کا دائرہ کار قدرے وسیع ہے۔ اس قسم کے تشدد میں کسی بھی معاشرے میں موجود تشدد کی بڑے پیمانے پر ہونے والی کارروائیوں کو شمار کیا جاتا ہے۔ مثلاً دہشت گردی اور جرائم پیشہ افراد کے تشدد پر مبنی کارروائیاں اس میں شامل ہیں۔ کسی بھی سماج میں طاقت ور طبقے کی جانب سے کمزور طبقے پر ہونے والے کسی بھی نوعیت کے تشدد کو سماجی تشدد کہہ سکتے ہیں۔

(ii)۔ سیاسی تشدد: کسی بھی ملک میں سیاسی مخالفین کو اکثر تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے، اس قسم کا تشدد سیاسی تشدد کہلاتا ہے۔ اس میں مخالفین کو جیلوں میں ڈالنا، ان پر جھوٹے مقدمے بنانا اور جسمانی یا نفسیاتی تشدد کا نشانہ بنانا شامل ہیں۔ آمرانہ دور حکومت میں سیاسی مخالفین پر تشدد کی روایت بھی اسی ذیل میں شمار کی جاتی ہے۔ اس قسم کا تشدد بعض اوقات جنگی جرائم پر مبنی بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً کسی بھی مذہبی، سیاسی یا نسلی اقلیت پر حکومتی سطح پر ہونے والا تشدد اسی درجہ بندی میں شمار کیا جاتا ہے۔ غیر جمہوری ممالک میں سیاسی تشدد کا شکار بعض اوقات صحافی اور میڈیا سے وابستہ دوسرے افراد بھی ہوتے ہیں۔

(iii)۔ معاشی تشدد۔ کسی فرد یا گروہ کو معاشی طور پر کمزور کرنے اور اسے مالی نقصان پہنچانے کے اقدامات کرنا معاشی تشدد کہلاتا ہے۔ عموماً بڑے کاروباری افراد اور سرمایہ دار طبقہ اپنے ماتحت لوگوں پر اس قسم کا تشدد روا رکھتے ہیں۔ بعض غیر ملکی اور بین الاقوامی کمپنیاں بھی اس قسم کے معاشی تشدد میں ملوث پائی جاتی ہیں۔ مثلاً آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک وغیرہ غریب اور پسماندہ ممالک کو قرضوں کے بوجھ تلے دے کر ان کا استحصال کرتے ہیں جس سے غریب عوام کا معیار زندگی بد سے بدتر ہو جاتا ہے۔

تشدد کی دیگر اقسام

روحانی تشدد(Spirtual Violence)

ہر فرد کا اپنا مذہبی عقیدہ ہوتا ہے۔ اسے اپنے مذہبی عقیدے کے بنیاد پر آزادی حاصل ہوتی ہے کہ وہ اپنے مذہبی مقامات پر بغیر کسی روک رکاوٹ کے جائے اور عبادت کر سکے۔ کسی بھی فرد یا گروہ کے مذہبی معاملات میں دخل

اندازی کرنا اور اس میں بے جا مداخلت کرنا کہ جس سے اسے روحانی طور پر صدمہ پہنچے روحانی تشدد کہلاتا ہے۔(۲۲)

ثقافتی تشدد(Cultural Violence)

کسی بھی علاقے کی ثقافت وہاں کی شناخت ہوتی ہے۔ ثقافت میں اس علاقے کی زبان، رسوم ورواج، رہن سہن اور سماجی اقدار شامل ہوتی ہیں۔ کسی مخصوص علاقے کے ثقافتی ورثے کو تعصب کی بنیاد پر نقصان پہنچانے اور وہاں کے مکینوں کو اس ثقافت کی بنیاد پر استحصال کا نشانہ بنانے کو ثقافتی تشدد کہا جائے گا۔(۲۳)

جبری مشقت(Forced Labour)

جبری مشقت سے مراد کسی بھی شخص کو اس کی رضامندی کے بغیر اور مناسب اجرت دیے بنا کسی کام کرنے پر مجبور کرنا بھی تشدد ہی کے ذیل میں شمار کیا جاتا ہے۔ چائلڈ لیبر اس کی عام شکل ہے۔ چائلڈ لیبر پر پابندیوں کے باوجود اس وقت پاکستان سمیت دنیا کے کئی ممالک میں بچوں کو جبری مشقت پر مجبور کیا جارہا ہے۔(۲۴) کشمیر میں ڈوگرہ عہد میں کشمیری مسلمانوں کو بھی جبری مشقت پر مجبور کیا جاتا تھا جسے بیگار کہا جاتا تھا۔

تشدد کی اقسام بلحاظ نوعیت

تشدد کے اطلاق کی کو مد نظر رکھتے ہوئے جو صورتیں سامنے آتی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

i۔ جسمانی تشدد

ii۔ نفسیاتی تشدد

(i)۔ جسمانی تشدد(Physical Violence)

تشدد کے اطلاق کی پہلی اور سب سے زیادہ استعمال ہونے والی صورت جسمانی تشدد ہے۔ عمران شاہد بھنڈر کے مطابق "کسی بھی جاندار کو اذیت دینے کی غرض سے اس کے جسم پر طاقت کے استعمال کو جسمانی تشدد "(۲۵) کہا جاتا ہے۔ تشدد کی کوئی بھی ایسی صورت جس سے جسمانی سطح پر کسی قسم کا نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو جسمانی تشدد شمار کیا جائے

گا۔ ذیل میں مختلف ذرائع سے حاصل کی گئی معلومات کے مطابق جسمانی تشدد کی ممکنہ صورتوں کو مختصر طور پر بیان کیا گیا ہے۔

جسمانی طاقت کا ایسا استعمال جس سے کسی دوسرے فرد یا افراد کو درد، زخم یا موت واقع ہونے کا اندیشہ ہو۔ بازو مروڑنا جس سے بازو کی ہڈی ٹوٹنے کا اندیشہ ہو۔ گلا گھونٹنا جس سے سانس بند ہونے اور موت واقع ہونے کا اندیشہ ہو۔ نا مناسب دواؤں کا کثرتِ استعمال، غیر ضروری اور مضر صحت دوائیں استعمال کروانا، انتہائی ضروری دواؤں تک رسائی نہ دینا، زبردستی قید میں ڈالنا، قید تنہائی پر مجبور کرنا، یا جسمانی حرکات و سکنات پر غیر ضروری پہرہ لگانا، چھری سے وار کرنا وغیرہ شامل ہیں۔

اس کے علاوہ ڈاکٹر ولیم ڈبلیو بیکر نے اپنی کتاب 'کشمیر وادی مسرت و وادی موت' میں کشمیری عوام پر جسمانی تشدد کی اطلاق کی گئی جن صورتوں کو بیان کیا ہے، ان میں گرم استری سے جلانا، سٹوو سے جلانا۔ بجلی کے جھٹکے لگانا، وافر مقدار میں پانی پلانا اور کھانا کھلانا اور رفع حاجت سے روکے رکھنا، جسم پر بھاری لکڑی کے رولر پھیرنا، گرم تیل جسم پر ڈال دینا، کانوں میں گرم موم ڈال دینا، انسانی فضلہ کھانے اور پیشاب پینے پر مجبور کرنا، ہسپتالوں تک رسائی نہ دینا، اور جسم کے اعضاء مثلاً گردے نکال کر بیچ دینا وغیرہ شامل ہیں۔(۲۶) جسمانی تشدد کی کچھ صورتیں سعید ساحلی کی کتاب 'تشدد پس منظر و پیش منظر' میں بھی بیان کی گئی ہیں جن میں جنسی قوت سے محروم کر دینا اور عورتوں کی شرمگاہوں میں سانپ ڈالنا اور شیشے کی بوتلیں ڈالنا وغیرہ قابل ذکر ہیں۔(۲۷) اس کے علاوہ جسمانی تشدد کی کچھ صورتیں مقبوضہ کشمیر کے گم شدہ افراد کے والدین کی تنظیم کی 2019ء میں شائع کردہ رپورٹ میں بھی ملتی ہیں۔ اس رپورٹ کے مطابق کئی کشمیریوں کو بھوکا پیاسا رکھا گیا، گرم یا ٹھنڈے پانی میں غوطے لگوائے گئے اور مقعد میں مرچیں ڈال کر یا لوہے کی سلاخ یا راڈ نما کوئی شے ڈال کر بڑی آنت کو زخمی کیا گیا۔(۲۸) تاہم دیکھنا یہ ہے کہ ان میں سے جسمانی تشدد کی وہ کون کون سی صورتیں ہیں جو زیرِ تحقیق ناولوں میں بھی بیان کی گئی ہیں۔

(ii)۔نفسیاتی تشدد(Psychological Violence)

عمران شاہد بھنڈر نے نفسیاتی تشدد کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے "انسان کی سوچ کو تبدیل کرنے کی غرض سے اس کے دماغ پر سائنس اور تکنیک کے جبری اطلاق کے عمل کو نفسیاتی تشدد کہا جا سکتا ہے۔"(۲۹) نفسیاتی تشدد میں خوف کا پہلو سب سے نمایاں ہوتا ہے۔ کسی بھی شخص کو خوف زدہ کر کے اسے تشدد کا نشانہ بنانے کا طریقہ قدیم اور جدید طریقوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ شہزاد احمد کے بقول "خوف اور تشدد گویا جڑواں بھائی ہیں۔"(۳۰)

نفسیاتی تشدد کا دائرہ کار بھی جسمانی تشدد کی طرح وسیع ہے۔ اس کی ممکنہ صورتیں درج ذیل ہو سکتی ہیں۔ کسی بھی فرد کو جان سے مارنے کی دھمکی دینا نفسیاتی تشدد کی اہم مثال ہے۔ اگر دھمکی دینے والا شخص اس پر عمل نہ بھی کرے تب بھی کئی نفسیاتی الجھنوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح کسی شخص کو ہراساں کرنا یا کسی کا پیچھا کرنا بھی نفسیاتی تشدد میں ہی شمار کیا جاتا ہے۔ کسی شخص یا گروہ کی املاک کو نقصان پہنچانا یا نقصان پہنچانے کی دھمکی دینا اور اس کی تذلیل کرنا بھی اسی زمرے میں شمار کیا جاتا ہے۔ نفسیاتی تشدد کی مزید صورتوں میں کسی شخص کی نجی زندگی کو زیر بحث لانا یا ذاتی معاملات میں دخل اندازی کرنا، غلاموں جیسا سلوک کرنا، کسی کو گھر تک محدود رکھنا یا بالکل ہی گھر سے باہر نکال دینا، خوف پھیلانا، دہشت کا مظاہرہ کرنا، اسلحہ کی نوک پر کوئی کام کرنے پر مجبور کرنا بھی شامل ہیں۔

نفسیاتی تشدد کی ذیلی قسم زبانی اور جذباتی تشدد بھی ہے۔ اگرچہ زبانی اور جذباتی تشدد کو الگ سے بھی تشدد کی اقسام میں شمار کیا جاتا ہے اور دونوں کے انسانی نفسیات پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ چوں کہ الفاظ کا اچھا یا برا استعمال انسانی جذبات کو مثبت یا منفی انداز میں متاثر کرتے ہیں، اس لیے انہیں نفسیاتی تشدد میں ہی شامل کیا جاتا ہے۔

زبانی اور جذباتی تشدد(Verbal Abuse and Emotional Violence)

بعض اوقات انسانی جذبات کو ٹھیس پہنچانے کے لیے کسی بڑی منصوبہ بندی کی ضرورت نہیں ہوتی اور نفرت، تذلیل، تعصب اور رعونت پر مبنی محض ایک لفظ یا ایک جملہ بھی کافی ہوتا ہے۔ کسی دوسرے فرد یا گروہ کے خلاف تقریری یا تحریری نوعیت کا کوئی بھی بیان زبانی تشدد کے ذیل میں شمار ہوتا ہے۔ اور زبانی تشدد لازمی طور پر اس کے جذبات اور عزت نفس مجروح کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ شہزاد احمد کے بقول

" لفظ انسان کا خطرناک ترین ہتھیار ہے۔ ہٹلر کے الفاظ بموں کے کئی دھماکوں سے زیادہ خطرناک تھے۔ ایسے ہی الفاظ پریس اور اشاعتی اداروں سے بہت پہلے بھی پورے پورے ملکوں، بلکہ براعظموں کو جلا دینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔'لفظ کے بغیر نہ شاعری ہو سکتی ہے نہ جنگ۔' یہی وہ شے ہے جو ہمیں دوسرے جانوروں سے ممتاز بھی کرتی ہے اور شاید یہی توانائی سے بھرپور شے انسانی بقا کے لیے سب سے بڑا خطرہ بھی ہے۔"(۳۱)

زبانی تشدد کی ممکنہ صورتوں میں کسی فرد یا گروہ کو گالی دینا، اس کے خلاف تعصب اور نفرت آمیز بیانات دینا، فرد یا گروہ کی نسلی، مذہبی اور سماجی حیثیت کا مذاق اڑانا اور تحقیر آمیز ناموں سے پکارنا وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ کسی فرد یا گروہ کے خلاف جھوٹے الزامات لگانا، اس کی ساکھ مجروح کرنے کے لیے پروپیگنڈے کرنا بھی زبانی تشدد میں شمار کیا جاتا ہے۔ مجموعی طور پر زبانی تشدد کا دائرہ کار بہت وسیع ہے اور اس کی کئی شکلیں معاشرے میں موجود ہیں۔ تاہم اس قسم کے تشدد کے معاشرے میں تشدد شمار ہی نہیں کیا جاتا حالاں کہ کسی کے جذبات کو ٹھیس پہنچانا سب سے زیادہ اذیت ناک عمل ہے۔

جنسی تشدد(Sexual Abuse)

تشدد کا کوئی بھی ایسا طریقہ کار جس سے جنسی طور پر دوسرے فرد کو نقصان پہنچایا جائے جنسی تشدد شمار کیا جاتا ہے۔ اس میں ضروری نہیں کہ صرف عصمت دری کو ہی شمار کیا جائے بلکہ زبردستی چھیڑ چھاڑ کرنا اور برہنہ ہونے پر مجبور کرنا بھی جنسی تشدد ہی کہلائے گا۔(۳۲) جنسی تشدد نہ صرف جسمانی صحت کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ذہنی اور جذباتی سطح پر بھی دباؤ کا سبب بنتا ہے۔

جنسی تشدد کی ممکنہ صورتوں میں کسی فرد خواہ وہ مرد ہے یا عورت اس کی مرضی کے بغیر اس کے ساتھ غیر اخلاقی حرکات کرنا، اسے زبردستی برہنہ ہونے پر مجبور کرنا، اس کی رضامندی کے بغیر جنسی عمل پر مجبور کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ جسم کے نازک اعضاء کو جلانا، غیر اخلاقی (پورن) فلمیں دکھانا یا فلموں میں کام کرنے پر مجبور کرنا،

جسم فروشی پر مجبور کرنا اور جنسی امراض (ایڈز وغیرہ) میں مبتلا کرنے کی کوشش کرنا بھی جنسی تشدد کے زمرے میں شامل ہیں۔ اسی طرح جنسی قوت ختم کرنے کے اقدامات کرنا بھی جنسی تشدد میں شمار کیا جاتا ہے۔(۳۳)

حوالہ جات

1۔ مولوی سید احمد، دہلوی، فرہنگ آصفیہ، جلد دوم، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2011ء، ص36

2۔ اصل عبارت درج ذیل ہے۔

"State Violence is the use of legitimate governmental authority to cause unnecessary harm and suffering to groups, individuals and states."

Claire M.Renzetti, Jeffery L.Edleson (Editors), Encyclopedia of Interpersonal Violence, Vol 1&2, Sage Publications, 2008, p 688

3۔ تحسین جہانگیر خان، تاریخِ حقوقِ انساں و مذاہبِ عالم، بک ٹائم، کراچی، طبع دوم، 2007ء، ص61

4۔ ایضاً، ص63

5۔ ایضاً، ص64

6۔ ایضاً، ص65

7۔ ایضاً، ص63

8۔ حمید اللہ، بھٹی، منی پور میں مذہبی و نسلی فسادات، نئی بات (روزنامہ)، 17 جون 2023ء

9۔ اصل عبارت درج ذیل ہے۔

"Any of the following acts committed with intent to destroy, in whole or in part, a national, ethnical, racial or religious group, such as (a) killing members of the group; (b) causing serious bodily or mental harm to members of the group; (c) Deliberately inflicting on the group conditions of life calculated to bring about its

physical destruction in whole or in part; (d) Imposing measures intended to prevent births with in the group; (e) Forcibely transferring children of the group to another group."

Claire M.Renzetti, Jeffery L.Edleson (Editors), Encyclopedia of Interpersonal Violence, Vol 1&2, Sage Publications, 2008, 291

10۔حامد ولید، نسل کشی، https://dailypakistan.com.pk/29.06.23/08:40pm

11۔جو سمر لینڈ، https://www.independenturdu.com,29April2023,09:16pm

12۔جیمز لنڈیل، https://www.bbc.com/urdu/world,30April2023,10:08pm

13۔نور الحسن نیر، مولوی، نور اللغات، جلد اول، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، طبع سوم، 2006ء، ص1045

14۔اصل عبارت درج ذیل ہے۔

"Violence is the intentional use of physical force or power, threatened or actual, against oneself, another person, or against a group or community that either results in or has a high likelihood of resulting in injury, death, psychological harm, maldevelopment or deprivation."

World Report on Violence and Health, WHO, Geneva, 2002, p5

15۔اصل عبارت درج ذیل ہے۔

"Violence, an act of physical force that causes or is intended to cause harm. The damage infected by violence may be physical, psychological, or both."

https://www.britannica.com, 13.07.23, 10:23pm

16۔غالب احمد، تشدد تاریخی تناظر میں، مشعل بکس،لاہور،1997ء، ص22

17۔World Report on Violence and Health,WHO ,p5

18۔ibid

19۔ibid

20۔ibid

21۔ibid

22۔https://psychocentral.com/health/spirtual-abuse,20.06.23,10:15pm

23۔https://worldbeyondwar.org/ur/types-of-violence/20.06.23,10:40pm

24۔غالب احمد، تشدد تاریخی تناظر میں، ص39

25۔عمران شاہد، بھنڈر، تشدد کی معنویت، ایکسپریس (روزنامہ)،22اگست 2015ء

26۔ولیم ڈبلیو بیکر، کشمیر وادی مسرت و وادی موت، مترجمہ سعید اسعدی، ڈیفینڈر پبلیکیشنز، لاہور، 1994ء، ص55

27۔سعید ساحلی، تشدد پس منظر و پیش منظر، کلاسیک لاہور، طبع اول، فروری 1992ء، ص19

28۔Torture(report),APDP&JKCCS,Feb 2019,P23

29۔عمران شاہد، بھنڈر، تشدد کی معنویت

30۔شہزاد احمد، ذہنِ انسانی کا حیاتیاتی پس منظر، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع اول، مئی 1987ء، ص184

31۔ایضاً، ص137

32۔Torture, p 73

33۔نازبار کزئی، جنسی تشدد کیا ہے؟،https://www.humsub.com.pk/27.06.23, 07:45pm

باب دوم

منتخب ناولوں میں ریاستی جبر کی عکاسی کا مطالعہ

ریاستی جبر کے بنیادی مفاہیم اور اس کے پس منظر کو مد نظر رکھتے ہوئے زیرِ تحقیق ناولوں کا مطالعہ کرنا تحقیقی مقالہ کے مقاصد کا حصہ ہے۔ ان مقاصد کے تحت ہی مقالے کی ابواب بندی کی گئی ہے۔ ابواب کی تقسیم ناولوں میں موجود ریاستی جبر اور تشدد کے مختلف واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کی گئی ہے۔ اسی منصوبہ بندی کے تحت اس باب میں منتخب ناولوں میں ریاستی جبر کی عکاسی سے متعلق جرائم کو دو ذیلی عنوانات سماجی جرائم اور جنگی جرائم میں تقسیم کیا گیا ہے۔

الف۔ سماجی جرائم

ریاستی جبر کے دائرہ کار کو دیکھتے ہوئے منتخب ناولوں میں پیش کیے گئے سماجی جرائم کو مزید دو ذیلی عنوانات انسانی حقوق کی خلاف ورزی اور اقلیتوں پر جبر میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ناولوں میں بیان کیے گئے واقعات کا انہی دو عنوانات کے تحت مطالعہ کیا گیا ہے۔

1۔ انسانی حقوق کی خلاف ورزی

بنیادی انسانی حقوق سے مراد وہ حقوق ہیں جو ایک آزاد انسان کو دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لیے ضروری خیال کیے جاتے ہیں۔ انسانی حقوق سے متعلق اقوام متحدہ کا متفقہ اعلامیہ 10 دسمبر 1948ء کو منظور ہوا جس کے مطابق تمام انسانوں خواہ وہ کسی بھی رنگ، نسل، مذہب، جنس، زبان اور ثقافت سے تعلق رکھتے ہوں کو مساوی حقوق حاصل ہوں گے۔ اقوام متحدہ کے منظور کردہ اس چارٹر کے مطابق جن بنیادی انسانی حقوق پر زور دیا گیا ان میں کسی بھی انسان کی شخصی، مذہبی اور سیاسی آزادی کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ علاوہ ازیں آزادیِ اظہار، حریت فکر، انصاف کی بلا امتیاز فراہمی، برابری کی سطح پر صحت اور تعلیم کی سہولیات کا حصول اور جان و مال کے تحفظ کا حق ہر انسان کو حاصل ہے۔ اقوام متحدہ کے اس چارٹر کی تمہید میں واضح لکھا ہے کہ؛

"چونکہ ہر انسان کی ذاتی عزت اور حرمت اور انسانوں کے مساوی اور ناقابل انتقال حقوق کو تسلیم کرنا اس دنیا میں آزادی، انصاف اور امن کی بنیاد ہے۔ چونکہ انسانی حقوق سے لاپروائی اور ان کی بے حرمتی اکثر ایسے وحشیانہ افعال کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے جس سے انسانیت کے ضمیر کو سخت صدمے پہنچتے ہیں، عام انسانوں کی بلند ترین آرزو یہ رہی ہے کہ ایسی دنیا وجود میں آئے جس میں تمام انسانوں کو اپنی بات کہنے اور اپنے عقیدے پر قائم رہنے کی آزادی حاصل ہو اور خوف اور احتیاج سے محفوظ ہو۔"(۱)

ریاستی جبر کے تحت جن انسانی حقوق کی سب سے زیادہ خلاف ورزیاں ہوتی ہیں ان میں جان اور مال کے تحفظ اور شخصی آزادی کے علاوہ انسانیت سوز تشدد کا استعمال شامل ہیں۔ بھارتی مقبوضہ کشمیر میں ریاستی جبر کی ظالمانہ کارروائیوں میں ان بنیادی انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزی کے متعدد واقعات رونما ہوتے ہیں۔ ان میں سے کچھ واقعات کو ناول نگاروں نے بھی اپنے ناولوں میں بیان کیا ہے جن میں انسانیت کی تذلیل، تشدد، آزادی اظہار کی پابندیاں اور دیگر اقدامات شامل ہیں۔

اقوام متحدہ کے عالمی منشور برائے انسانی حقوق کی دفعہ 5 میں واضح لکھا ہے کہ

"کسی شخص کو تشدد اور ظلم کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا اور کسی شخص کے ساتھ غیر اخلاقی اور ذلت آمیز سلوک نہیں کیا جائے گا، ایسی سزا نہیں دی جائے گی جو ذلت آمیز ہو۔"(۲)

اس کے برعکس بھارتی سکیورٹی فورسز کی ظالمانہ کارروائیوں میں انسانیت کی تذلیل کے واقعات اکثر ملتے ہیں۔ منتخب ناولوں میں بھی ایسے واقعات کو بیان کیا گیا ہے جیسا کہ ناول دہشت زادی میں شناخت پریڈ کے مرحلے کے دوران ایک نوجوان لڑکے کو مکمل برہنہ کر کے بھرے مجمعے کے سامنے شناخت پریڈ کرنے پر مجبور کیا گیا۔(۳) اس منظر کو دیکھنے والوں کی حالت ایسی تھی کہ ان سے دیکھا نہیں جا رہا تھا اور وہ کبھی اپنی آنکھیں بند کر رہے تھے اور کبھی کھول رہے تھے۔ جب ایسا شرمناک سلوک دیکھنے والوں کی حالت ایسی تھی تو جس نوجوان کو ایسا کرنے پر مجبور کیا گیا اس کی ذہنی حالت کیا ہوئی ہوگی۔ ایسا ہی ایک واقعہ ناول فائرنگ رینج میں بھی بیان کیا گیا ہے جس کے مطابق سپاہیوں نے ایک جوہڑ

کے اطراف میں ناکہ لگا کر شہریوں کو پکڑنے کے بعد ننگا کر کے جوہڑ میں ڈبکیاں لگانے پر مجبور کیا گیا۔(۴) اگر کوئی شخص سپاہیوں کے حکم کی خلاف ورزی کرتا یا اس بہیمانہ ظلم پر احتجاج کرتا تو اسے ڈنڈوں سے مار مار کر ایسا کرنے پر مجبور کیا جاتا اور اس وقت تک جاں خلاصی نہ ہوتی جب تک کہ ان کے حکم کی تعمیل نہ کی جاتی۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ کسی بھی انسان کو محض ذلت کا نشانہ بنانے کے لیے برہنہ کر کے تشدد کا نشانہ بنانا انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزی ہے۔

انسانیت کی تذلیل کا ایک اور واقعہ ناول فائرنگ رینج میں درج ہے جس میں ڈیوٹی پر تعینات سپاہی ایک بوڑھے کی تذلیل کرتا ہے۔ شناخت پریڈ کا عمل سست روی کا شکار تھا اور سکیورٹی فورسز کے اہلکار سابق عسکریت پسندوں اور فوج کے حامی نوجوانوں جنہیں مقامی لوگ اخوانی کہتے تھے کی مدد سے مشتبہ نوجوانوں کو پکڑ کر سکول کے کمرے میں قائم ٹارچر سیل میں منتقل کر رہے تھے۔ اس دوران سخت گرمی میں بیٹھے بوڑھے نے سپاہی سے پانی پینے کی درخواست کی جس کے جواب میں سپاہی نے پتلون کی زپ کھول کر اسے پیشاب پینے کا کہا۔(۵) اس واقعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ سکیورٹی فورسز نہ صرف نوجوانوں بلکہ بوڑھوں کو بھی ذلت آمیز سلوک کا نشانہ بنا رہی ہے اور ان پر کسی قسم کی رحم کی درخواست کا کوئی اثر نہیں ہوتا بلکہ ایسا کرنے والوں کو بھی عبرت ناک سزا دیتے ہیں۔

اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے منشور کی دفعہ 12 کے مطابق کسی بھی شخص کی عزت، شہرت اور اس کی خلوت میں مداخلت نہیں کی جائے گی۔(۶) لیکن بھارتی سکیورٹی فورسز کسی بھی علاقے کا محاصرہ کر کے وہاں گھر گھر تلاشی کے نام پر خواتین کو جنسی طور پر نہ صرف ہراساں کرنے بلکہ ان کی بے حرمتی کرنے میں بھی ملوث رہی ہیں۔ خواتین کے خلاف اس قسم کے مجرمانہ واقعات کو زیر تحقیق ناولوں میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ ایسا ہی ایک بدنام زمانہ واقعہ ناول دہشت زادی میں بیان کیا گیا ہے جسے سانحہ کنن پوشپورہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس واقعے میں 22 اور 23 فروری 1991ء کی یخ بستہ رات میں وادی کے گاؤں کنن پوشپورہ کا محاصرہ کر کے مردوں کو سخت سردی میں گھروں سے نکل کر باہر کھلی جگہ جمع ہونے کا کہا گیا جبکہ خواتین کو گھروں میں ہی رہنے کا حکم دیا گیا۔ فوجیوں نے رات گیارہ بجے سے صبح نو بجے تک گھر گھر تلاشی کے بہانے سو سے زائد خواتین کی اجتماعی بے حرمتی کی۔(۷) یہ واقعہ انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں میں سے ایک ہے۔ عورتوں کی بے حرمتی کا ایک اور واقعہ بھی دہشت زادی میں بیان کیا گیا ہے جس کے مطابق ہندواڑہ کی رہائشی ایک لڑکی کو اس کے والد کے سامنے فوجیوں نے والد کے سامنے اس کی آبروریزی کی۔ لڑکی کی اس اجتماعی آبرو

ریزی کو والد اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی تاب نہ لا سکا اور وہیں جان کی بازی ہار گیا۔ وادی کی خواتین اس واقعے کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے بتاتی ہیں کہ؛

"ان بھیڑیوں نے ایک والد کے سامنے اس بچی کے کپڑے تار تار کیے، ان جانوروں نے اس معصوم لڑکی کو نوچ لیا والد کے سامنے اس بچی کی عزت لوٹی۔ اپنی بچی کی حالت دیکھ کر والد وہیں پر ڈھیر ہو گیا۔ کیا ایسا ظلم دنیا میں کہیں اور بھی ہوتا ہے جو بھارت نے اس ریاست پر روا رکھا ہے؟"(۸)

اس واقعے کے خلاف وادی کے کونے کونے میں خواتین کے جلسے جلوس شروع ہو گئے تھے جن میں خواتین کی بڑی تعداد شریک ہوتی تھی۔ اسی طرح شوپیاں کی رہائشی ایک خاتون ٹیچر کا واقعہ بھی دہشت زادی میں شامل ہے جس میں اس خاتون ٹیچر کو فوجیوں کی جانب سے جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ اس ٹیچر نے اپنے ساتھ ہونے والے اجتماعی زیادتی کے واقعات کو مصنفہ کو دیے گئے ریڈیو انٹرویو میں یوں بیان کیا؛

"میں ایک پرائمری سکول میں ٹیچر تھی۔۔۔ راستے میں ایک فوجی بنکر تھا، جب میں اس بنکر کے قریب پہنچ جاتی تو چند فوجی میرا تعاقب کرتے اور برابر سکول تک میرا پیچھا کرتے۔۔۔ وہ گھر واپس جاتے وقت روک کر مجھے بنکر میں لے جاتے، مجھے مارتے، کوئی نشہ پلاتے اور بے ہوشی میں نہ جانے میری کیا کیا حالت بناتے۔ میں نے سکول جانا چھوڑ دیا۔ وہ میرے گھر آ گئے اور میرے جسم کو نوچتے رہے۔ ایک بار میری ماں نے مجھے مخدوش حالت میں پایا۔ اس نے بغیر کچھ کہے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے کہیں دور لے آئی۔ ماں نے کہا ہم دونوں جہلم میں چھلانگ لگائیں گے اور ایک ہی بار مر جائیں گے۔"(۹)

شوپیاں کی رہائشی اس خاتون ٹیچر کو فوجیوں نے محض اس جرم کی سزا دی کہ اس نے فوجیوں کے حکم پر گراؤنڈ میں کھیلنے والے لڑکوں سے دوستی کر کے عسکریت پسندوں کی نشاندہی میں ان کی معاونت نہیں کی تھی۔ خاتون کی بے بسی بجا تھی کہ اگر وہ اس کام میں کامیاب بھی ہو جاتی تو اسے عسکریت پسندوں کی جانب سے جان کا خطرہ تھا۔

عالمی منشور برائے انسانی حقوق کی دفعہ 11 کی جزو ایک اور دو میں کسی بھی شخص کو انصاف کے حصول کے لیے عدالت تک رسائی اور خود کو بے گناہ ثابت کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔(۱۰) جبکہ بھارتی سکیورٹی فورسز کسی بھی شخص کو محض شک کی بنیاد پر حراست میں لے کر تشدد کا نشانہ بناتی ہیں بلکہ اکثر اوقات تشدد سے قتل بھی کر دیا جاتا ہے۔ماورائے عدالت قتل کے بیشتر واقعات اکثر خبروں میں آتے رہتے ہیں اور منتخب ناولوں میں بھی ایسے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ جیسا کہ ناول دہشت زادی میں آنٹی جی کے نو عمر بیٹے اور تین دیگر نوجوانوں کو دوران حراست تشدد کر کے قتل کر دیا اور ان کی مسخ شدہ لاشیں رات گئے مسجد کے احاطے میں پھینک دی گئیں۔(۱۱) اس طرح کی قتل و غارت گری کے واقعات پکڑ دھکڑ کے دوران بھی پیش آتے ہیں جیسا کہ دہشت زادی میں فریدہ کے شوہر کو گرفتاری کے وقت مزاحمت کے دوران قتل کیا گیا۔(۱۲) فائرنگ رینج میں بھی ایسے واقعات ملتے ہیں، جیسا کہ احتجاجی مظاہرے کے دوران بغیر کسی پیشگی تنبیہ کے فائرنگ کی گئی جس سے کئی افراد جان سے مارے گئے۔

"جلوس میں اتنے لوگ تھے کہ کہ تھالی پھینکو تو زمین پر نہ گرے اور پر جوش کفن برداروں کے نعروں سے زمین ہل رہی تھی۔ اچانک سپاہیوں نے آگے سے جلوس کا راستہ روک کر کریمین ویسار سے لوگوں کو گھیرے میں لے لیا اور بنا کسی تنبیہ کے پر امن احتجاجیوں کے نہتے سینوں پر بندوقوں کے دہانے کھول دیے اور بھاڑ سا بننے لگے۔ چاروں طرف بھاگم بھاگ اور افراتفری مچ گئی۔ چپے چپے پر لاشیں اور خون دیکھ کر لوگ بھونچکے رہ گئے اور کتنے اپنے عزیزوں کی ڈھنڈیا میں خود اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔(۱۳)

مقبوضہ کشمیر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں میں اظہار رائے پر پابندی بھی شامل ہے۔ فوجی اہلکار مقامی آبادی میں خوف وہراس پھیلا کر آزادی کے حق میں اور بھارت مخالف نعرے لگانے والوں کو تشدد کا نشانہ بناتے ہیں۔ منشور کی دفعہ نمبر 18 کے مطابق؛

"ہر شخص کو آزادی رائے اور آزادی اظہار کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں بلا مداخلت رائے رکھنے کی آزادی اور بلا لحاظ علاقائی حدود کسی بھی ذریعے سے اطلاعات اور نظریات تلاش کرنے، حاصل کرنے اور انہیں دوسروں تک پہنچانے کی آزادی شامل ہے۔"(۱۴)

ان ظالمانہ کارروائیوں کا اظہار ناولوں میں بھی ملتا ہے۔ مثلاً دہشت زادی میں بیان کیے گئے ایک واقعے کے مطابق ایک بچے کو فوجی اس وقت تھپڑ مارتا ہے جب وہ دوسرے بچوں کے ساتھ مل کر بھارت کے خلاف نعرے لگاتا ہے۔(۱۵) حالاں کہ کم سن بچے جو نعرے لگا رہے ہیں ان کا انہیں صحیح طرح مفہوم بھی واضح نہیں ہے۔ اس کے علاوہ فائرنگ رینج میں بیان کیے گئے واقعے میں فوجیوں کی طرف سے ایک احتجاجی جلوس پر اس وقت فائرنگ کی جاتی ہے جب وہ آزادی کے حق میں نعرے لگانے میں مصروف ہوتے ہیں۔(۱۶) فائرنگ رینج میں بیان کیا گیا ایک اور واقعہ اس سے بھی بدترین مثال ہے جب شناخت پریڈ کے لیے اکٹھے کیے گئے لوگوں کو بھارتی فوجی افسر بھارت کی حمایت میں نعرے لگانے پر مجبور کرتا ہے اور اپنے نعروں کا جواب نہ ملنے کی صورت میں جان سے مارنے کی دھمکی دیتا ہے کہ "اب اگر مجھے نعرے کا جواب نہیں ملا تو پیڑوں سے پتے نہیں تمہاری لاشیں گریں گی۔(۱۷) ناولوں میں بیان کیے گئے واقعات اس بات کی دلیل ہیں کہ بھارتی سکیورٹی فورسز کی ریاستی جبر کے تحت ہونے والی کارروائیوں میں انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیاں کی جاتی ہیں۔

2۔ اقلیتوں پر جبر

مقبوضہ کشمیر سے مراد ریاست جموں و کشمیر کا وہ علاقہ ہے جو بھارت کے غیر قانونی زیر قبضہ ہے۔ بھارت کے زیر قبضہ علاقوں میں وادی کشمیر، پونچھ، لداخ اور جموں شامل ہیں۔ ریاست میں مسلمانوں کی اکثریت ہے لیکن بھارت کی مجموعی آبادی کے مقابلے میں یہاں مسلمان اقلیت میں ہیں۔ ایک تو بھارت نے آبادی کا تناسب بدلنے کے لیے 1947ء میں ہی جموں میں مسلمانوں کا قتل عام کیا جس کے نتیجے میں ایک محتاط اندازے کے مطابق چار لاکھ لوگوں کو جان سے مارا گیا۔ اس وقت جہاں پورے ہندوستان میں مسلمانوں کو انتہا پسند ہندوؤں کی طرف سے متعصبانہ رویوں کا سامنا ہے جس کا اظہار عالمی میڈیا کے ذریعے پوری دنیا میں کیا جاتا ہے، وہیں مقبوضہ کشمیر میں بھی بھارتی سکیورٹی فورسز کی جانب سے مسلم آبادی کو انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اس متعصبانہ رویے کا اردو ادب میں بھی اظہار کیا جا رہا ہے۔ خورشید اکرم کے بقول؛

"ملک ہندوستان میں اس وقت فرقہ وارانہ منافرت کی ایک آندھی چلی ہوئی ہے۔ بے گناہوں کا خون ہو رہا ہے۔ بیس کروڑ آبادی والی اقلیت ایک مستقل خوف میں مبتلا ہے اور نفسیاتی طور پر بیمار ہو رہی ہے۔۔۔ اردو ادب کی جہاں تک بات ہے اقلیتی طبقے کے اندر پیدا شدہ خوف و ہراس جو تقریباً ایک دہائی سے ہندوستانی سماج میں تیزی سے سرایت کرتا جارہا ہے اس وقت ایک اہم موضوع بن گیا ہے۔"(۱۸)

نوے کی دہائی میں شروع ہونے والی مسلح جدوجہد کے بعد بھارت نے وادی میں مسلح افواج کی تعداد میں بے پناہ اضافہ کیا اور اس کے اختیارات میں بھی اضافہ کیا۔ سکیورٹی فورسز نے اختیارات کا ناجائز اور غیر منصفانہ استعمال کرتے ہوئے مقامی آبادی کو شدید نقصان پہنچایا جس کے نتیجے میں ہزاروں افراد کو قتل کیا گیا، خواتین کی بے حرمتی کی گئی، نوجوانوں کو جبری طور پر لاپتہ کیا گیا، بچوں کو یتیم کیا گیا اور املاک کو نقصان پہنچایا گیا۔ 5 فروری 2023 کو روزنامہ دنیا میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق؛

"بھارت اب تک 96 ہزار سے زائد کشمیریوں کا قتل عام کر چکا ہے۔ تقریباً 23 ہزار عورتوں کو بیوہ، ایک لاکھ سات ہزار سے زائد بچوں کو یتیم جبکہ 11 ہزار سے زائد عورتوں کی آبروریزی کی گئی۔"(۱۹)

منتخب ناولوں میں بھارتی سکیورٹی فورسز کی ریاستی جبر کے تحت ہونے والی پر تشدد کارروائیوں میں کشمیر کی مقامی مسلم آبادی کو جس بھیانک تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے اس کا تذکرہ بیشتر مواقع پر کیا گیا ہے۔ مسلم آبادی کو اکثر بھارتی فوج کی جانب سے مارپیٹ کا سامنا رہتا ہے۔ گھر گھر تلاشی کے نام پر عورتوں کو ہراساں کرنے اور جنسی تشدد کا نشانہ بنانے کے واقعات بھی ناولوں میں درج ہیں۔ علاوہ ازیں قتل و غارت گری، مزاحمت اور پر امن احتجاجی مظاہرین پر فائرنگ کے واقعات کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ بھارتی فوج ہسپتال میں موجود مریضوں اور ان کے لواحقین پر بھی فائرنگ کرنے سے باز نہیں آئی۔ اسی طرح بے گناہ نوجوانوں کو محض شک کی بنیاد پر حراست میں لینے اور پوچھ گچھ کے نام پر وحشیانہ تشدد کا نشانہ بنانے کے واقعات بھی دونوں ناولوں میں بیان کیے گئے ہیں۔ دورانِ حراست تشدد کے باعث قتل ہونے والے نوجوانوں کی بھی کثیر تعداد ہے۔ بیشتر نوجوانوں کو جبری طور پر لاپتہ کرنے اور قتل کر کے اجتماعی قبروں

میں دفن کرنے کے واقعات بھی بھارتی ریاستی جبر کی بدترین مثالوں میں سے ایک ہیں۔لاپتہ ہونے والے افراد کو کسی بھی عدالت میں پیش نہیں کیا جاتا اور نہ ہی کسی عدالتی کارروائی میں انہیں مجرم قرار دیا جاتا ہے۔

ب۔ جنگی جرائم

منتخب ناولوں میں ایسے واقعات نہیں ملتے جنہیں صحیح معنوں میں جنگی جرائم سے منسلک کیا جاسکے۔ تاہم ریاستی جبر کی مختلف شکلوں مثلاً قیدیوں سے بدسلوکی اور نسل کشی کو پیش نظر رکھا جائے تو کہیں کہیں ایسے واقعات کی نشاندہی ضرور ہوتی ہے جو براہ راست نہ سہی مگر جنگی جرائم قرار دیے جاسکتے ہیں۔ اسی کے تحت جنگی جرائم کو دو ذیلی عنوانات قیدیوں سے بدسلوکی اور نسل کشی میں تقسیم کیا گیا ہے۔

1۔ قیدیوں سے بدسلوکی

سکیورٹی فورسز کے اہلکار کریک ڈاؤن اور شناخت پریڈ کے دوران کسی بھی شخص کو گرفتار کرکے انٹروگیشن سنٹر منتقل کر دیتے ہیں۔شناخت پریڈ کے مرحلے میں فوجیوں کو اخوانیوں کی معاونت بھی حاصل ہوتی ہے جو سابقہ عسکریت پسند ہوتے ہیں۔ وہ اپنی جاں خلاصی کے لیے کسی بھی بے گناہ شخص کو گرفتار کرواسکتے ہیں۔ گرفتاری کے بعد وادی کے کسی بھی انٹروگیشن سنٹر میں منتقل کرکے ان پر بہیمانہ تشدد کیا جاتا ہے۔اس تشدد کے نتیجے میں کئی اموات بھی واقع ہوتی ہیں جن کی مسخ شدہ لاشیں بعد ازاں شہر کے کسی بھی علاقے سے ملتی ہیں۔ لیکن ان قیدیوں کو باقاعدہ جیل میں منتقل کرنے اور ملکی عدالتوں میں پیش کرنے کی بجائے صرف انٹروگیشن سنٹر منتقل کیا جاتا ہے جہاں فوجی اہلکار ہی ان سے تفتیش کرتے ہیں۔

منتخب ناولوں میں ایسے واقعات بیان کیے گئے ہیں جن میں حراست میں لیے گئے افراد کو تشدد کا نشانہ بنائے جانے کی نشاندہی ہوتی ہے۔ ناول فائرنگ رینج کے کردار منظور احمد کو دوران حراست جس طرح تشدد کا نشانہ بنایا گیا اسے قیدیوں سے بدسلوکی کی بدترین مثال قرار دیا جاسکتا ہے۔ منظور احمد نے ہیومن رائٹ کمیشن کے نمائندے کے سامنے جو بیان دیا اس کے مطابق؛

"سر! آپ خود دیکھیے کال کوٹھڑی میں لگ بھگ پچاس قیدیوں کو ٹھونس کر رکھا گیا ہے۔ کوٹھڑی نہیں بھٹّا ہے صاحب! اندر اتنی گرمی، حبس اور گھٹن ہے کہ ایک گھنٹے میں کچی اینٹ پک کر ٹھن ٹھن بجنے لگے۔ ایک کونے میں پیشاب پھیرنے سے کھرانڈ کے ایسے بھبھکے اٹھتے ہیں، ایسے بھبھکے کہ آدمی اپنے ہاتھوں سے اپنا گلا گھونٹ کر خودکشی کرلے۔۔۔ ایک چھوٹی سی ناند میں مویشیوں کی طرح بچے کچے چاول اور ادھ پکی دال ڈال کر کھلایا جاتا ہے۔۔۔ دن بھر چٹ چٹ جوئیں مار کر رات کو جو تھک ہار کر نیند آنے لگتی ہے تو یکایک ڈنڈے مار مار کر جگایا جاتا ہے۔"(۲۰)

منظور احمد کے تفصیلی بیان میں تشدد کی مختلف صورتوں کی عکاسی بھی ملتی ہے جن سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قیدیوں کے ساتھ کس طرح کا سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ سب سے پہلے اس سے اقبال جرم کے کاغذ پر ڈرا دھمکا کر دستخط کروائے گئے اور نہ کرنے کی صورت میں گولی مارنے کی دھمکی دی گئی۔(۲۱) اس کے بعد جب اسے قید کیا گیا تو وہاں قیدیوں سے ہونے والی بدسلوکی اور جسمانی تشدد کی جن صورتوں کا احوال اس نے بیان کیا ان میں ننگے بدن پر کانٹے دار تاروں کے چابک سے مارنا(۲۲)، سوتے ہوئے ڈنڈوں سے مار مار کر جگانا(۲۳)، ڈنڈوں سے مارنا، دونوں پاؤں باندھ کر الٹالٹکا کر پٹوں سے مارنا(۲۴)، گلے میں رسی یا پٹہ ڈال کر گھسیٹنا، پرانے زخموں سے کھرنڈ اتار کر ان پر نمک ملے پانی کا چھڑکاؤ کرنا(۲۵)، چھ فٹ لمبے اور تین فٹ چوڑے تختے پر الٹالٹا کر پاؤں کے تلوؤں کو پٹوں سے مارنا(۲۶)، بجلی کے جھٹکے لگانا(۲۷)، مقعد میں مرچیں ڈالنا(۲۸)، پلاس سے جسم کے نازک حصوں اور داڑھی کے بال نوچنا(۲۹) وغیرہ شامل ہیں۔ اس قسم کے ظالمانہ تشدد کے بعد بھی جب کسی الزام کا کوئی ثبوت نہیں مل سکا تو اسے شدید زخمی حالت میں ایک ویران جگہ پر پھینک گئے، جہاں سے گاؤں کے لوگوں نے اسے ہسپتال پہنچایا۔

تشدد کی یہ تمام صورتیں قیدیوں سے روا رکھی جاتی ہیں اور انہیں عدالت میں پیش کرنے کے بجائے انٹروگیشن سنٹر میں ہی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ماورائے عدالت تشدد کی ان بہیمانہ کارروائیوں سے اکثر افراد کی موت واقع ہو جاتی ہے جو کہ اقوام متحدہ کے عالمی منشور کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہے۔ عالمی منشور کی دفعہ 11 کی شق نمبر 1 کے مطابق؛

"ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری کا الزام عائد کیا جائے، بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے تاوقتیکہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع نہ دیا جا چکا ہو۔"(۳۰)

منظور احمد بھی پہلے پہل تو اس خوش فہمی میں مبتلا رہا کہ اسے پولیس کے حوالے کر کے عدالت میں پیش کیا جائے گا مگر یہ اس کا محض وہم ہی رہا۔ اس کی خود کلامی اس کی ذہنی حالت کی عکاسی کرتی ہے۔

"میں خواہ مخواہ واہمے میں مبتلا ہو رہا ہوں۔ یہ لوگ مجھے پولیس کے حوالے کریں گے۔ مگر پولیس؟ پولیس نے کون سا ان کے نام پرچہ دیا ہو گا جو عدالت سے ہرکارہ پروانہء حاضری ملزم ہاتھ میں لے کر یہاں آ دھمکے گا۔ منظور احمد شاہ کو آنریبل کورٹ کے سامنے پیش کیا جائے۔۔۔ ارے بھائی تم گمشدہ ہو اور گمشدوں کو کسی گمنام جگہ کے ویران گوشے میں پھینکا جاتا ہے۔ مشکیں کس کر، آنکھوں پر پٹی باندھ کر۔"(۳۱)

اسی طرح ناول دہشت زادی میں بیان کیے گئے واقعے میں بھی چار نوجوانوں کی دوران حراست موت کے بعد ان کی مسخ شدہ لاشیں ملتی ہیں۔ ان نوجوانوں کے ایک روز پہلے ہی شناخت پریڈ کے دوران علاقے سے گرفتار کیا گیا تھا اور انٹروگیشن سنٹر منتقل کر کے تشدد کر کے مار دیا گیا تھا۔ تاہم ناولوں میں ان قیدیوں کا تذکرہ نہیں ملتا جنہیں حراستی مراکز کے بجائے جیلوں میں منتقل کیا گیا ہو اور وہاں ان کا عدالتی نظام کے تحت ٹرائل کیا گیا ہو۔

2۔ نسل کشی

مقبوضہ کشمیر میں بھارتی ریاستی جبر کے تحت قتل و غارت گری کی کارروائیوں میں 1990ء کے بعد شروع ہونے والی مسلح جدوجہد کے بعد اضافہ ہوا۔ اس طرح وہاں ہزاروں افراد کو حراستی مراکز میں، فائرنگ کے ذریعے اور گھر گھر تلاشی کی کارروائیوں کے دوران قتل کیا گیا۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ 2008ء میں مقبوضہ کشمیر کے چھے اضلاع کے 89 دیہاتوں سے 8652 اجتماعی قبریں دریافت ہوئیں، جن میں 154 قبروں میں دو دو، اور 23 قبروں میں 17 سے زائد افراد کی لاشیں ملی ہیں۔(۳۲)

اجتماعی قبروں کی دریافت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بھارتی سکیورٹی فورسز نے کتنے ہی نوجوانوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ کشمیر کی نوجوان نسل کا سوچے سمجھے منصوبے کے تحت بڑے پیمانے پر قتل عام اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ بھارتی حکومت نے نسل کشی کی باقاعدہ منصوبہ بندی کی ہوئی ہے۔ منتخب ناولوں میں بھی ایسے واقعات درج ہیں جن سے نسل کشی کی جھلک نظر آتی ہے۔ مثلاً ناول دہشت زادی میں مصنفہ نے ایک منظر پیش کیا ہے جس میں سڑک کنارے دکانوں اور بجلی کے تاروں پر ایسے پوسٹر آویزاں ہیں جن پر بھارتی سکیورٹی فورسز کی جانب سے دورانِ حراست اور جعلی انکاؤنٹر میں شہید ہونے والے نوجوانوں کی تصاویر ہیں۔(۳۳)۔ اسی طرح شناخت پریڈ کے مرحلے کے دوران اخوانیوں کی مدد سے بھارتی سکیورٹی فورسز ہمیشہ نوجوانوں کو مشکوک سمجھ کر گرفتار کرکے انہیں حراستی مراکز میں منتقل کرتی جہاں انہیں تشدد کا نشانہ بنا کر قتل کیا جاتا۔ جیسا کہ ناول دہشت زادی میں آنٹی جی کے بیٹے سمیت چار نوجوانوں کو حراست میں لے کر تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور بعد ازاں ان کی مسخ شدہ لاشیں ملیں۔ اسی طرح فریدہ کے شوہر کو حراست میں لینے کے دوران قتل کیا گیا۔ اسی طرح فائرنگ رینج کے دو کرداروں رمضان اور حاجی صاحب کے درمیان ہونے والے مکالمے میں بھی بھارتی بربریت کی نشاندہی ہوتی ہے۔

> "حاجی صاحب! آپ یہ تازہ قبریں دیکھ رہے ہیں۔ وہ کونے میں جان محمد درزی کے بیٹے ارشاد احمد کی قبر ہے۔ ماں باپ کا تینتر ابیٹا تھا۔ تین بہنوں میں اکیلا بھائی۔ اور وہ محمد صدیق کے گھر داماد شوکت احمد کی قبر ہے۔ وہ تاجہ بیگم کا اکیلا کماؤ لال وہاں ابدی نیند سورہا ہے اور یہ جو امانت کے طور پر دو میتیں یہاں دفنائی گئی ہیں ان بیاباں مرگ جوانوں کے بارے میں کسی کو معلوم نہیں کہ کون تھے، کہاں کے تھے۔"(۳۴)

اسی طرح جبری طور پر لاپتہ افراد کی بھی طویل فہرست ہے۔ ان لاپتہ افراد میں اکثریت نوجوانوں کی ہے جن میں سے کئی شادی شدہ بھی ہیں۔ ان شادی شدہ نوجوانوں کی بیویاں ان کے انتظار میں ساری عمر گزار چکی ہیں۔ اس جبری غیر ازدواجی زندگی سے بھی بچوں کی پیدائش کا سلسلہ رک جاتا ہے۔ یہ بھی نسل کشی کا ہی سلسلہ ہے۔

متذکرہ بالا ریاستی جبر کی صورتوں میں صرف انہی کو شامل تحقیق کیا گیا ہے جن سے متعلق منتخب ناولوں میں بھی مختلف واقعات ملتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ناول نگاروں نے جو واقعات اپنے ناولوں میں بیان کیے ہیں ان کے علاوہ بھی

ایسے واقعات مقبوضہ کشمیر میں سکیورٹی فورسز کی ریاستی جبر کی سرگرمیوں کا حصہ ہوں مگر ناول نگاروں نے ان کا ذکر نہ کیا ہو۔ البتہ یہاں صرف منتخب ناولوں میں پیش کردہ واقعات کو ہی مد نظر رکھتے ہوئے مطالعہ کیا گیا ہے۔

ناولوں میں بیان کردہ ریاستی جبر کے واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ بھارتی سکیورٹی فورسز نے کشمیر کی مقامی آبادی کے ساتھ غیر انسانی سلوک روا رکھا ہے۔ انہوں نے مقامی آبادی میں عمر اور جنس کے فرق کو ملحوظِ خاطر رکھے بنا انسانیت کی تذلیل کی ہے۔ انہیں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کوئی بوڑھا آدمی ہے، چھوٹا بچہ ہے یا بے گناہ عورت ہے۔ اس کے برخلاف انہوں نے تمام معاشرتی طبقات کو اپنے بہیمانہ تشدد کا نشانہ بنایا ہے۔ فائرنگ رینج میں بوڑھے آدمی کے ساتھ سپاہی کا جارحانہ رویہ اور اسے غیر اخلاقی جواب دینا اور دہشت زادی میں چھوٹے بچوں پر فوج کا جسمانی تشدد اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیاں کی گئی ہیں۔ اسی طرح عورتوں کے ساتھ اجتماعی جنسی زیادتی اور دیگر غیر اخلاقی اقدامات پر مبنی واقعات بھی سکیورٹی فورسز کے جبر کو واضح کرتے ہیں۔

مقبوضہ کشمیر میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندو پنڈت اور سکھ بھی رہائش پذیر ہیں لیکن ان کی تعداد مسلمانوں کی نسبت کم ہے۔ لیکن بھارت کی مجموعی آبادی میں مسلمان اقلیت میں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ مقبوضہ کشمیر کی مسلم اقلیت کو بھارتی حکومت کی جانب سے اکثر ظالمانہ کارروائیوں کا سامنا رہتا ہے۔ ناولوں میں بھی اس طرح کے واقعات اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ بھارت کو مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں سے کسی قسم کی کوئی ہمدردی نہیں ہے بلکہ ان پر ہر طرح کا تشدد روا رکھا ہوا ہے۔ مسلمان نوجوانوں کو محض شک و شبے کی بنیاد پر گرفتار کر کے نامعلوم حراستی مراکز میں منتقل کر کے تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ انہیں کسی بھی عدالت میں پیش کر کے مقدمہ قائم کیے بغیر مہینوں اور بعض اوقات سالوں تک قید رکھا جاتا ہے۔ اس قسم کے شدید جسمانی اور نفسیاتی تشدد کے نتیجے میں کئی نوجوانوں کی موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کئی ایسے نوجوان بھی ہیں جنہیں جبری طور پر لاپتہ کر دیا جاتا ہے۔ بعد ازاں ان کا کوئی سراغ نہیں ملتا کہ آیا وہ زندہ بھی ہیں یا مار دیے گئے ہیں۔ گمنام اور اجتماعی قبروں کی دریافت سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ نوے کی دہائی میں ہزاروں کشمیری نوجوانوں کو جبری طور پر اغوا کر کے قتل کیا گیا ہے۔ گم شدہ افراد کے والدین کی تنظیم "ایسوسی ایشن آف پیرنٹس آف ڈس اپیرڈ پرسنز APDP" کی فروری 2019ء میں شائع ہونے والی رپورٹ میں اس

متعلق کئی انکشافات کیے گئے ہیں۔ اسی طرح ان گم شدہ افراد کے بچوں اور بیویوں کو اس بات کی کوئی یقین دہانی نہیں کرواتا کہ ان کے والد یا شوہر کس حال میں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مقبوضہ کشمیر وہ واحد خطہ ہے جہاں آدھی بیواؤں (Half Widows) کی سب سے زیادہ تعداد موجود ہے۔

حوالہ جات

1۔زاہدالراشدی، ابوعمار، اسلام اور انسانی حقوق، الشریعہ اکادمی، گوجرانوالہ، طبع اول، 2011ء، ص 61

2۔ تحسین جہانگیر خان، تاریخِ حقوقِ انساں و مذاہبِ عالم، بک ٹائم، کراچی، طبع دوم، 2017ء، ص63

3۔نعیمہ احمد مہجور، دہشت زادی، ص94

4۔شفق سوپوری، فائرنگ رینج: کشمیر1990ء، ص31

5۔ایضاً، ص112

6۔ تحسین جہانگیر خان، تاریخِ حقوقِ انساں و مذاہبِ عالم، ص64

7۔نعیمہ احمد مہجور، دہشت زادی، ص190

8۔ایضاً، ص204

9۔ایضاً، ص256

10۔ تحسین جہانگیر خان، تاریخِ حقوقِ انساں و مذاہبِ عالم، ص64

11۔نعیمہ احمد مہجور، دہشت زادی، ص267

12۔ایضاً، ص140

13۔شفق سوپوری، فائرنگ رینج: کشمیر1990ء، ص35

14۔ تحسین جہانگیر خان، تاریخِ حقوقِ انساں و مذاہبِ عالم، ص65۔66

15۔نعیمہ احمد مہجور، دہشت زادی، ص28

16۔شفق سوپوری، فائرنگ رینج: کشمیر1990ء، ص35

17۔ایضاً، ص110

18۔ خورشید اکرم، اکیسویں صدی میں ادب، مسائل و موضوعات، مشمولہ: ایوانِ اردو (ماہنامہ)، اردو اکادمی، دہلی، مئی 2023ء، ص20

19۔ مقبوضہ کشمیر دنیا کی نظر میں (خصوصی رپورٹ) دنیا (روزنامہ)، اسلام آباد، 5 فروری، 2023

20۔ شفق سوپوری، فائرنگ رینج: کشمیر1990ء، ص73۔74

21۔ ایضاً، ص72

22۔ ایضاً، ص73

23۔ ایضاً، ص74

24۔ ایضاً، ص75

25۔ ایضاً

26۔ ایضاً، ص76

27۔ ایضاً، ص77

28۔ ایضاً

29۔ ایضاً، ص78

30۔۔ زاہد الراشدی، ابو عمار، اسلام اور انسانی حقوق، ص114

31۔ شفق سوپوری، فائرنگ رینج: کشمیر1990ء، ص83

32۔ نواز رضا، http://www.hilal.gov.pk/urdu-article

33۔ نعیمہ احمد مہجور، دہشت زادی، ص176

34۔ شفق سوپوری، فائرنگ رینج: کشمیر1990ء، ص66

باب سوم

منتخب ناولوں میں تشدد کی عکاسی کا مطالعہ

بنیادی مباحث میں شامل تشدد کی اقسام کو مد نظر رکھتے ہوئے مقالے کی ابواب بندی کی گئی۔ تحقیقی مقاصد کے تحت تیسرا باب منتخب ناولوں میں تشدد کی عکاسی کے مطالعہ پر مبنی ہے۔ منتخب ناولوں میں بیان کیے واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس باب کو مزید دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ یعنی جزو الف کو 'جسمانی تشدد' اور دوسرے حصے جزو ب کو 'نفسیاتی تشدد' کا عنوان دیا گیا ہے۔ اسی تحقیقی منصوبہ کے تحت جسمانی تشدد اور نفسیاتی تشدد کو مزید ذیلی عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے جس کے مطابق دونوں اجزاء کے چار ذیلی عنوانات بنا کر مطالعہ کیا گیا ہے۔

الف۔ جسمانی تشدد

جسمانی تشدد کی جو صورتیں منتخب ناولوں میں پیش کی گئی ہیں، انہیں چار ذیلی عنوانات کے تحت تقسیم کیا گیا ہے۔

1۔ مار پیٹ کی صورتیں

2۔ قتل وغارت گری

3۔ حراستی مراکز میں تشدد

4۔ شناخت پریڈ

1۔ مار پیٹ کی صورتیں

منتخب ناولوں میں مار پیٹ پر مبنی جسمانی تشدد کی جو صورتیں ملتی ہیں، ان میں تھپڑ مارنا، لاتیں مارنا اور ڈنڈوں اور بندوق کے بٹوں سے مارنا شامل ہیں۔

ناول دہشت زادی میں بچوں کو تھپڑوں سے مارنے کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے جس کے مطابق محلے کے بچے فوجی گاڑیوں کو دیکھ کر ان کے پاس اکٹھے ہوتے ہیں اور بھارت کے خلاف نعرے لگانا شروع کر دیتے ہیں۔ نعروں کے ساتھ ساتھ بچے سپاہیوں پر پتھراؤ بھی کرتے ہیں۔ ان بچوں کی مائیں اور بڑے بزرگ انہیں پکڑ پکڑ کر گھروں میں لے جانے کی کوشش کرتے ہیں مگر وہ اس سارے ماحول سے خوش ہو رہے ہیں۔ انہیں اندازہ ہی نہیں کہ ان نعروں کا کیا مطلب ہے، مگر رفتہ رفتہ جب نعروں سے ماحول کشیدہ ہو رہا ہے اور بچے فوجیوں کو اشتعال دینے میں مصروف ہیں۔ اسی اثناء میں ایک دس سالہ بچے کو سپاہی اس وقت تھپڑ مار دیتا ہے جب اس کی طرف سے پھینکا گیا کنکر اس سپاہی کے سر پر لگتا ہے۔(۱)

مار پیٹ کی صورتیں زیادہ تر شناخت پریڈ اور کریک ڈاؤن کے دوران اس وقت نظر آتی ہیں جب فوجی کسی کو حراست میں لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس دوران تشدد کا نشانہ ان لواحقین کو بنایا جاتا ہے جو اپنے عزیزوں کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ دہشت زادی میں بیان کردہ ایک واقعے میں جب ایک نوجوان کو فوجی بالوں سے گھسیٹ کر گاڑی میں ڈالنے کے لیے دھکیل رہا ہے تو اس کی والدہ اسے چھڑانے کے لیے منتیں کرتی ہے اور اس کی بے گناہی کا یقین دلاتی ہے۔ وہ فوجی کا جوتا پکڑ کر بچے کو چھوڑ دینے کی التجا کرتی ہے تو فوجی اسی جوتے سے اسے لات مار کر زمین پر گرا دیتا ہے یہاں تک وہ اس کے جوتے پر سجدہ کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔(۲)

دہشت زادی میں ہی بیان کردہ ایک اور واقعے میں جب شناخت پریڈ کا اعلان ہوتا ہے اور محلے کے مردوں کو کھلے میدان میں اکٹھا ہونے کے لیے کہا جاتا ہے تو ایک بزرگ (مصنفہ کے والد) بھی گھر سے نکلنے کی تیاری کرتے ہیں۔ وہ ابھی دروازے کے پیچھے اپنا جوتا تلاش کر رہے ہوتے ہیں کہ ایک فوجی دروزاے کو لات مار کر کھولتا ہے جس سے بزرگ فرش پر الٹے منہ گر جاتے ہیں۔ فوجی انہیں بندوق کی نوک سے اٹھنے کا اشارہ کرتا ہے۔ اور ان کی عمر کا لحاظ کیے بغیر انہیں بری طرح ڈانٹ دیتا ہے۔(۳)

مار پیٹ کا ایک اور کربناک منظر دہشت زادی کی کردار فریدہ کے شوہر کی گرفتاری کے وقت نظر آتا ہے۔ فریدہ کی شادی کو ابھی دو ہفتے ہی ہوئے ہیں اور علاقے میں کریک ڈاؤن کے دوران فوجی اس کے شوہر کو

حراست میں لینے کے لیے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹ رہے ہیں۔ فریدہ اسے چھڑانے کے لیے منتیں کرتی ہے اور خدا کا واسطہ دیتی ہے مگر فوجیوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ فریدہ کے والد مولوی صاحب بھی اپنے داماد کو چھڑانے کے لیے زمین پر بیٹھ کر فوجیوں سے بھیک مانگتے ہیں مگر فوجی ان کی حالت دیکھ کر ہنس رہے ہیں بلکہ الٹا ان کے داماد کو لات مار کر فٹ بال کی طرح زمین پر گرا دیتے ہیں۔ جب بار بار کی منت سماجت کا فوجیوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا تو فریدہ ایک سپاہی سے بندوق چھین لیتی ہے۔ فوجی اس سے بندوق چھین کر لات مارتا ہے اور زمین پر گرا دیتا ہے۔ فریدہ کی اپنے شوہر کو چھڑانے کی ساری کوشش رائیگاں جاتی ہے اور فوجی اس کے شوہر کو وہیں گولی مار دیتا ہے۔(۴)

شناخت پریڈ کے لیے لوگوں کو ہانک کر لے جانے اور بانس کے ڈنڈوں، بندوق کے بٹوں سے مار مار کے میدان کی طرف جلدی چلنے کا ایک واقعہ ناول فائرنگ رینج میں بھی ملتا ہے۔ اس واقعے میں صبح کی اذان کے ساتھ ہی مسجد میں اعلان ہوتا ہے کہ تمام مردوں کو فورسز کی جانب سے کھلے میدان میں جمع ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ ابھی اعلان ختم ہوئے چند لمحے ہی گزرے ہوں گے کہ "سپاہی دندناتے ہوئے گھروں میں گھس گئے۔ گلیوں اور کوچوں میں بانس کے ڈنڈوں او ر بندوق کے بٹوں سے مار مار کر انہیں میدان کی طرف ہانکا گیا۔"(۵)

فائرنگ رینج کا ایک کردار رمضان (حجام) اپنی دکان پر آئے ایک آدمی سے کریک ڈاؤن کے دوران ہونے والا ایک واقعہ سناتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ سپاہیوں کی طرف سے جوہڑ کے اطراف میں ناکہ لگا کر اس طرف سے گزرنے والے لوگوں کو ذلیل کرنے کے لیے پہلے ڈنڈوں سے مارا گیا اور پھر انہیں ننگا کر کے جوہڑ میں ڈبکیاں لگانے پر مجبور کیا گیا۔ اور جو شخص سپاہیوں کے حکم پر عمل کرنے کی بجائے ٹال مٹول سے کام لیتا اسے بری طرح تشدد کا نشانہ بنایا جاتا اور مزاحمت کرنے پر نشانِ عبرت بنا دیا جاتا۔

> "غفلت میں جو بدنصیب راہگیر وہاں سے گزرتا اسے دبوچ کر زبردستی تالاب میں ڈبکی لگانے پر مجبور کرتے پھر اچھی طرح پیٹ کر چھوڑ دیتے۔ ایک معمر مسافر نے جب ضد کی تو اس کے کپڑے پھاڑ کے اسے تالاب میں دھکیل دیا۔ پھر ننگے تن پر ڈنڈے مار مار کے ہانکا دیا۔"(٦)

مار پیٹ کی ایک بد ترین شکل دہشت زادی میں بیان کردہ واقعے میں ملتی ہے جب ایک ماں اپنے بچے کو فوجیوں کی حراست سے چھڑانے کی کوشش کرتی ہے تو اس پر ہونے والا تشدد مصنفہ یوں بیان کرتی ہے۔

"کالا پھرن پہنے ہوئے خاتون نے گاڑی کے اندر چھلانگ لگائی اور بیٹے کو واپس باہر نکالنے کے جتن کرنے لگی۔ فوجی نے اس اس کو زور سے دھکا دے کر گاڑی سے نیچے پھینک دیا۔ وہ خون میں لت پت ہو گئی مگر بیٹے کا ہاتھ نہیں چھوڑ رہی ہے۔ بیٹے نے فوجی پر ایسا تھپڑ مارا کہ اس کے ہاتھ سے بندوق نیچے گر گئی، دوسرے فوجیوں نے بیٹے کو پکڑ گاڑی سے باہر نکالا اور زمین پر پٹخ دیا۔ منہ میں بندوق بھر دی اور بھاری جوتوں سے لاتیں مار مار کر اس کا چہرہ مسخ کر دیا۔"(۷)

ناولوں میں بیان کردہ مار پیٹ کی صورتوں سے واضح ہوتا ہے کہ سکیورٹی فورسز نے علاقے میں اپنی دھاک بٹھانے کے لیے بھی اسے استعمال کیا ہے۔ اسی طرح مار پیٹ کی سرگرمیوں میں کسی بھی عمر اور جنس کا لحاظ کیے بغیر تشدد کیا گیا ہے۔

2۔ قتل وغارت گری

کشمیر میں ریاستی جبر کے تحت ہونے والی پر تشدد کارروائیوں کے عام کشمیری اس قدر عادی ہو گئے تھے کہ انہیں ایک دوسرے کو خیریت سے دیکھ کر بھی حیرانی ہوتی تھی۔ اس کا اظہار دہشت زادی کی مصنفہ نے ان الفاظ میں کیا ہے؛

"گھر خیریت سے پہنچنا ایک معجزہ ہے اور گھر میں سبھی افراد کو صحیح سلامت دیکھنا اس سے بھی بڑا معجزہ ہے۔ محال ہی کوئی دن گزرتا ہے جب مجھے کریک ڈاؤن، کراس فائرنگ یا جلسے جلوسوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔"(۸)

دہشت زادی میں ایسے واقعات کئی جگہوں پر بیان کیے گئے ہیں جہاں پکڑ دھکڑ، کریک ڈاؤن اور شناخت پریڈ کی کارروائیوں کے دوران کئی افراد کو قتل کیا گیا۔ ناول کی ایک کردار فریدہ کے شوہر کو حراست میں لینے کا منظر بھی ایسا ہی

ہے۔ فریدہ اپنے شوہر کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہے یہاں تک کہ فوجیوں کے ہاتھوں مار پیٹ بھی برداشت کرتی ہے۔ منت سماجت سے بھی فوجیوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اسی طرح فریدہ کے والد مولوی صاحب بھی اپنے داماد کو فوجیوں سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں مگر ناکام رہتے ہیں۔ فریدہ اور مولوی صاحب کی مزاحمت کسی کام نہیں آتی اور فوجی اسے گولی مار کر زندگی کا خاتمہ کر دیتے ہیں۔

کراس فائرنگ کے واقعات کا ذکر بھی ناول دہشت زادی میں ملتا ہے۔ بھارتی سکیورٹی فورسز عسکریت پسندوں کی تلاش میں ہسپتال میں بھی پہنچ جاتے ہیں جہاں مصنفہ بھی بچے کی پیدائش کے سلسلے میں لیبر روم میں موجود ہوتی ہے۔ فوجی عسکریت پسندوں کی تلاش میں ہسپتال کا کونا کونا چھان مارتے ہیں۔ ایسے میں اچانک ان پر ہسپتال میں چھپے عسکریت پسند فائرنگ شروع کر دیتے ہیں جس سے کچھ فوجی موقع پر ہی ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اس کے بدلے میں ہسپتال کے باہر موجود فوجی ہسپتال کے اندر فائرنگ شروع کرتے ہیں جن کی گولیوں کی زد میں مریض اور ان کے لواحقین آتے ہیں۔ اس واقعے میں کئی لوگ مرتے ہیں اور کئی دوسرے زخمی ہو جاتے ہیں۔ اس واقعے کی عکاسی اس طرح بیان کی گئی ہے؛

> "گیٹ کے سامنے والے بنکر سے فوجیوں نے مشین گن سے اندھا دھند گولیوں کی بوچھاڑ کر دی جو او پی ڈی کے سامنے مریضوں اور تیمارداروں کو لگ رہی ہیں اور وہ ایک ایک کر کے زمین پر گرتے جا رہے ہیں، سارا ماحول لرز گیا ہے۔ کراس فائرنگ کی زد میں مریض ہیں یا ان کے تیماردار جو گر گر کر تڑپ رہے ہیں، مدد کے لیے ہاتھ پھیلا رہے ہیں، درجنوں خون میں لت پت پڑے ہیں۔" (۹)

ناول دہشت زادی کی مصنفہ بنیادی طور پر صحافی ہیں اور ان کے ناول میں کہیں کہیں صحافیانہ انداز میں بھی قتل و غارت گری کی خبریں نظر آتی ہیں۔ ایسی ہی ایک خبر کا ناول میں اس انداز میں ذکر کرتی ہیں جو کہ شادی کے موقع پر بارات پر فائرنگ کے افسوس ناک واقعے سے متعلق ہے۔

"سری نگر کا ڈاؤن ٹاؤن کئی روز سے پہلے ہی کرفیو کی زد میں تھا۔ نوشہرہ میں شادی کی بارات پر بھارتی فوج کی فائرنگ سے کئی افراد ہلاک ہو گئے ہیں۔ کئی علاقوں میں اس کے خلاف پر تشدد مظاہرے ہو رہے ہیں۔"(۱۰)

دہشت زادی میں تشدد کے بعد قتل کیے گئے چار نوجوانوں کی مسخ شدہ لاشیں مسجد کے احاطے سے ملنے کا واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے جنہیں ایک دن پہلے ہی کریک ڈاؤن کے دوران حراست میں لیا گیا تھا۔(۱۱)

ناول فائرنگ رینج میں بھی بھارتی سکیورٹی فورسز کی قتل و غارت گری کی کارروائیوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ ایک احتجاجی مظاہرے میں جب لوگ بھارتی بربریت کے خلاف اور آزادی کے حق میں نعرے لگا رہے تھے تو فوجیوں نے بغیر کسی پیشگی اطلاع یا تنبیہ کے ان پر گولیاں چلا دیں۔ اس حادثے میں شہید ہونے والوں میں ایک عمر رسیدہ عبدالجبار خان بھی شامل ہیں جبکہ ان کا نوعمر پوتا اصغر خان بری طرح زخمی ہوتا ہے۔(۱۲)

اسی طرح ناول فائرنگ رینج کے ابتدائی صفحات میں بھی ایک واقعہ ایسا بیان کیا گیا ہے جس میں شناخت پریڈ کے مرحلے کے آغاز میں ہی ایک بزرگ کو بے دردی سے گولی مار دی جاتی ہے۔

"اور تاؤ میں آکر ایک یدھمان نے بندوق اس کے برہنہ سینے پر تان لی اور لبلبی دبا دی۔ ایک دھماکہ اور اس کے جگر کے چیتھڑے پشت کے درے سے نکل کر کیچڑ میں اُدھر بکھر گئے۔"(۱۳)

3۔ حراستی مراکز میں تشدد

سکیورٹی فورسز کا ریاستی جبر کی کارروائیوں میں سب سے زیادہ استعمال ہونے والا حربہ حراستی مراکز میں تشدد کا ہے۔ حراستی مراکز میں کسی بھی مشتبہ فرد کو بغیر کسی عدالتی حکم کے غیر معینہ مدت کے لیے قید رکھا جاتا ہے۔ اس دوران اسے شدید جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ان مراکز میں تشدد کے نت نئے طریقے اختیار کیے جاتے جن سے حراست میں لیے گئے اکثر لوگ جان کی بازی ہار جاتے اور جو زندہ واپس آتے انہیں بھی علاج کے لیے کافی عرصہ

ہسپتالوں کا چکر لگانا پڑتا ہے۔ منتخب ناولوں میں بھی ان حراستی مراکز میں ہونے والے تشدد کے کچھ واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

ناول فائرنگ رینج کے ایک مرکزی کردار منظور احمد کو اس وقت حراست میں لیا گیا جب وہ اپنے پڑوسی پنڈت خاندان کو اپنی گاڑی میں جموں لے جانے کے لیے ٹنل پار تک چھوڑنے گیا۔ واپسی پر اسے فورسز نے حراست میں لے لیا اور معمولی پوچھ گچھ کے بعد حراستی مرکز منتقل کیا گیا۔ وہاں اس پر جس طرح کا جسمانی تشدد کیا گیا اور جو اس نے حراست میں لیے گئے دیگر افراد پر ہونے والا تشدد اپنی آنکھوں سے دیکھا اس کا احوال اس نے ہیومن رائٹ کمیشن کے نمائندے کے سامنے بیان کیا ہے۔ اس کے تفصیلی بیان میں جسمانی تشدد کی جو صورتیں ملتی ہیں ان میں تھپڑوں سے مارنا، نیم برہنہ کر کے کانٹے دار تاروں کے چابک لگانا(۱۴)، سوتے ہوئے ڈنڈے مار مار کر جگانا(۱۵)، مکمل برہنہ کر کے ڈنڈوں سے مارنا، دونوں پاؤں باندھ کر الٹا لٹکا کر پٹوں سے اس وقت تک مارنا جب تک کہ بے ہوش نہ ہو جائے،(۱۶)، گلے میں پٹہ ڈال کر گھسیٹنا، کپڑے اتار کر پہلے پرانے زخموں سے کھرنڈ اتارنا پھر جب خون کی بوندیں ان سے نکلنا شروع ہو جائیں تو ان پر نمک ملا پانی چھڑکنا(۱۷))، چھے فٹ لمبے اور تین فٹ چوڑے تختے پر الٹا لٹا کر پاؤں کے تلوؤں کو پٹوں سے مارنا(۱۸)، کرنٹ لگانا(۱۹)، مقعد میں مرچیں ڈالنا(۲۰)، پلاس سے جسم کے نازک حصوں اور داڑھی کے بال نوچنا(۲۱) وغیرہ شامل ہیں۔

فائرنگ رینج میں ہی شناخت پریڈ کے مرحلے کے دوران ہی مشتبہ افراد کو علیحدہ کر کے انہیں سکول میں ہی قائم کردہ تعذیب خانے میں منتقل کیا جاتا جہاں ان پر اس قدر جسمانی تشدد کیا جاتا کہ میدان میں بیٹھے لوگوں تک ان کی چیخوں کی آوازیں آتی رہیں۔(۲۲)

دہشت زادی کی مصنفہ کی پڑوسی اور سہیلی نینا ایک پنڈت خاندان سے تعلق رکھتی تھی، حالات خراب ہونے کے بعد جب اس کے خاندان نے راتوں رات کشمیر چھوڑنے کا فیصلہ کیا تو محلے میں سے کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ بعد میں نینا کے گھر کو سکیورٹی فورسز نے حراستی مرکز بنا دیا جہاں کشمیر کے مختلف علاقوں سے نوجوانوں کو تشدد کا نشانہ بنانے کے لیے منتقل کیا جاتا۔ اس حراستی مرکز سے جوانوں کی چیخوں کی آوازیں مصنفہ کے گھر تک آتی رہتیں جن کا تذکرہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"رات کے دوران نینا کے گھر سے چیخنے چلانے اور مارنے کی دلدوز آوازیں آتی رہتیں جن سے سارا محلہ لرز جاتا۔ میرے پڑوسی ان چیخوں کو سننے کا انتظار کیا کرتے تا کہ چیخ و پکار میں سے اپنے کسی عزیز کے بارے میں شاید کچھ معلوم ہو سکے۔ اکثر خاندانوں کو اپنے عزیزوں کے بارے میں گرفتاری کے بعد پتہ نہیں چلتا کہ انہیں کس جیل یا انٹروگیشن سنٹر میں رکھا گیا ہے، وہ زندہ ہیں یا انہیں مار دیا گیا ہے۔"(۲۳)

دہشت زادی میں ہی ایک اور واقعہ بیان کیا گیا ہے جس میں ناول کی ایک کردار آنٹی جی کے جواں سال بیٹے سمیت چار نوجوانوں کو کریک ڈاؤن کے دوران حراست میں لینے کے بعد کسی نامعلوم حراستی مرکز منتقل کیا گیا۔ اگلے روز ان چاروں کی مسخ شدہ لاشیں مسجد کے احاطے سے ملیں جن کے جسموں پر بے شمار تشدد کے نشانات تھے۔

فائرنگ رینج کے ایک مرکزی کردار خواجہ احمد قدوس کو بھی شناخت پریڈ کے مرحلے کے بعد حراستی مرکز منتقل کیا گیا جہاں اسے شدید جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ بعد میں خواجہ کو اس کے دوستوں نے اثر ورسوخ استعمال کر کے اور اس تحریری شرط پر رہائی دلوائی کہ اس پر کسی قسم کا جسمانی تشدد نہیں کیا گیا۔ تاہم بعد میں جب انہیں ہسپتال منتقل کیا گیا تو ان کے جسم پر جگہ جگہ زخموں اور نیل کے نشان تھے۔ ان کی ڈاڑھی کو اس قدر کھینچا گیا تھا کہ چمڑی ادھڑ چکی تھی۔(۲۴)

حراستی مراکز میں ہونے والے تشدد کے متعلق ولیم ڈبلیو بیکر نے بھی اپنی کتاب کشمیر وادی مسرت، وادی موت میں کئی انکشافات کیے ہیں۔ اس کتاب میں حراستی مراکز میں ہونے والے تشدد کے درج ذیل طریقوں کا ذکر کیا گیا ہے مثلاً بھاری لکڑی سے بنے ہوئے رولر کو جسم کے پٹھوں پر پھیرنا، جسم کے نازک اعضاء کو بجلی کے جھٹکے لگانا، گرم استری سے سینے، رانوں اور مخصوص اعضاء کو جلانا، انگلیاں کاٹ دینا، گرم تیل جسم پر ڈال دینا اور کانوں میں گرم گرم موم ڈال دینا، بہت زیادہ پانی پلا دینا اور پھر پیشاب نہ کرنے دینا وغیرہ۔(۲۵) مصنف ولیم ڈبلیو بیکر مزید لکھتے ہیں کہ:

"ایک دن اندھیرا پھیلنے پر کرفیو کے دوران ایک موٹر سائیکل پر اذیت دینے کے چار مراکز پر گیا۔ موٹر سائیکل کی بتیاں بجھی ہوئی تھیں اور مفلر (Silencer Pipe) کی آواز کو روک دیا گیا

> تھا تاکہ کوئی آواز سن نہ لے۔ میں جن مراکز پر گیا ان کی عمارتوں کے باہر ہی رہا، تاہم باہر سے بھی ان لوگوں کی چیخیں سن سکتا تھا جنہیں اذیت دی جارہی تھی۔"(۲۶)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دوران حراست ہونے والا بہیمانہ تشدد کس قدر اذیت ناک ہوگا۔ اسی طرح حراستی مراکز میں ہونے والے جسمانی تشدد میں کچھ واقعات ایسے بھی ملتے ہیں جن میں تشدد کا شکار کشمیریوں میں گردوں کے امراض، جسم کا مفلوج ہو جانا اور سانس لینے میں دشواری جیسے مسائل کا بھی سامنا رہا ہے۔ البتہ اس طرح کے واقعات کا تذکرہ زیر تحقیق ناولوں میں نہیں ملتا ہے۔

4۔شناخت پریڈ

شناخت پریڈ کا مرحلہ بھی ریاستی جبر کی کارروائیوں میں شامل ہے جسے بھارتی سکیورٹی فورسز مشتبہ افراد کی پہچان کے لیے اکثر استعمال کرتی ہیں۔ اس مرحلے میں فوجیوں کو سابقہ عسکریت پسندوں کی مدد بھی حاصل ہوتی ہے جنہیں سکیورٹی فورسز نے اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ انہیں کشمیری اخوانی کے نام سے پکارتے ہیں۔ یہ اخوانی اپنی جان بچانے کے لیے کسی بھی بے گناہ نوجوان کو عسکریت پسند ہونے کی نشاندہی کروا کر فوجیوں سے گرفتار کروا سکتے ہیں۔ ان کے بارے میں ناول دہشت زادی کی مصنفہ لکھتی ہیں کہ؛

> "ہمارے پڑوس میں اخوانیوں نے اب تک جتنے لوگوں کی نشاندہی کے بعد گرفتار کروایا ہے ان میں محال ہی کوئی عسکریت پسند ہے۔ اخوانی نقاب پوشوں کو عسکریت پسند نظر نہیں آتے تو وہ جان بوجھ کر بے گناہ لوگوں کو گرفتار کرواتے ہیں۔"(۲۷)

جسمانی تشدد کا استعمال شناخت پریڈ کے مرحلے پر بھی کیا جاتا ہے۔ جب کسی مشتبہ شخص کی شناخت کے بعد اس کی گرفتاری کا مرحلہ آتا ہے تو فوجیوں کو حراست میں لیے گئے شخص کے عزیزوں کی جانب سے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس مزاحمت کو روکنے کے لیے فوجی سخت تشدد کا نشانہ بناتے ہیں۔ اس دوران لوگوں کو لاتوں، مکوں، بندوق کے بٹوں اور ڈنڈوں سے مارا جاتا ہے۔ انہیں بالوں سے گھسیٹ کر گاڑی میں ڈالا جاتا ہے۔ بعض اوقات شناخت پریڈ کے

دوران ہی کسی بھی مشتبہ شخص کو فوراً پکڑ کر قریبی تعذیب خانے منتقل کیا جاتا اور وہیں اسے جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا جیسا کہ ناول فائرنگ رینج میں ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

"پھر کترپیونت کا عمل شروع ہوا اور چن چن کے نوجوانوں اور مشتبہ افراد کو اسکول کے ایک کمرے میں قائم کیے گئے تعذیب خانے کی طرف لایا گیا۔ جہاں سے آنے والی فلک شگاف اور جگر خراش کراہوں سے لوگوں کے سینے چھلنی ہونے لگے۔"(۲۸)

ب۔ نفسیاتی تشدد

ریاستی جبر کے تحت ہونے والے نفسیاتی تشدد کی مختلف صورتوں کو چار ذیلی عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔

1۔ خواتین کی ہراسانی

2۔ حراستی مراکز میں خوف زدہ کرنا

3۔ عسکری طاقت کا کھلے عام اظہار

4۔ پکڑ دھکڑ اور حراست

1۔ خواتین کی ہراسانی

ریاستی جبر کے تحت ہونے والی پر تشدد کارروائیوں میں خواتین کو سب سے زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس کی سب سے بڑی مثال یہ ہے کہ وادی کے ایک گاؤں کنن پوشپورہ میں ایک رات گھر گھر تلاشی کی کارروائی کے دوران ایک سو سے زائد خواتین کی اجتماعی آبروریزی کی گئی۔ اس کے علاوہ کئی ایسے واقعات ہیں جہاں خواتین بدنامی اور خوف سے ایسے واقعات کا ذکر نہیں کرتی ہیں۔ محمد بشیر بٹ یو این او اور دیگر اداروں کی رپورٹس کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں؛

"1992 میں یو این او کی ایک رپورٹ میں کہا گیا کہ ہندوستان کے فوجیوں نے 882 خواتین کا Gang Rape کیا۔ 2005 میں Medicines Sans Frontiers نے اپنی رپورٹ A

> Long Struggle Against System میں جن خواتین کا انٹرویو لیا ان کے بیان کے مطابق 1989 سے لے کر 11.6 فیصد عورتوں سے اجتماعی آبروریزی (Gang Rape) ہوئی۔"(۲۹)

محمد بشیر بٹ نے مزید مستند رپورٹس سے اعداد و شمار جمع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جولائی 1988 سے اگست 1997 تک 14545 خواتین کی بے حرمتی اور اجتماعی عصمت دری کی گئی۔(۳۰)

منتخب ناولوں میں بھی کئی ایسے واقعات کا تذکرہ ملتا ہے جہاں بھارتی سکیورٹی فورسز کی طرف سے خواتین سے بدسلوکی اور ہراسانی کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔ ان واقعات میں کچھ تو ایسے ہیں جن میں خواتین کو جسمانی تشدد کا نشانہ بھی بنایا گیا ہے۔ دہشت زادی کی مصنفہ کے بقول "جب دوسرے روز اخباروں میں ہلاکتوں، اغوا یا عصمت دری کے واقعات کی خبریں پڑھتی ہوں تو مجھے اتنا افسوس نہیں ہوتا جتنا پہلے ہوتا تھا۔"(۳۱) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہاں اس طرح کی خبریں جب آئے روز اخبارات کا حصہ بنتی ہیں تو اس میں کس قدر صداقت ہوسکتی ہے۔ مصنفہ مزید لکھتی ہیں؛

> " آج کے اخبار میں کسی غیر سرکاری ادارے کی سروے رپورٹ شائع ہوئی ہے جس میں لکھا ہے کہ کشمیر میں پچاس فیصد عورتیں شدید ذہنی بیماریوں میں مبتلا ہو چکی ہیں، خاص طور سے ڈپریشن کا شکار ہیں۔ اس ادارے کو ان عورتوں کے بارے میں علم ہی نہیں جو پتھر کی طرح سخت ہوگئی ہیں اور مورتی کی شکل اختیار کر چکی ہیں۔"(۳۲)

دہشت زادی میں خواتین کا احتجاجی جلوس کا منظر بیان کیا گیا ہے جس میں سری نگر کے لال چوک میں کئی خواتین اکٹھی ہو کر فوج کی زیادتیوں کے خلاف نعرے لگا رہی ہیں۔ یہ خواتین پہلی بار اس وقت احتجاجی مظاہرہ کر رہی ہیں جب ہندواڑہ کے ایک گاؤں کی نوجوان لڑکی کو کچھ روز پہلے فوجیوں نے اجتماعی زیادتی کا نشانہ بنایا تھا۔(۳۳) احتجاج میں شریک ایک لڑکی نے زیادتی کا شکار ہونے والی لڑکی کی تصویر والا پوسٹر اٹھایا ہوا ہے اور وہ بلند آواز میں دوسری خواتین کو بتاتی جارہی ہے کہ؛

"ان بھیڑیوں نے ایک والد کے سامنے اس بچی کے کپڑے تار تار کیے، ان جانوروں نے اس معصوم لڑکی کو نوچ لیا۔ والد کے سامنے اس بچی کی عزت لوٹی۔ اس بچی کی حالت دیکھ کر والد وہیں ڈھیر ہو گیا۔"(۳۴)

ناول دہشت زادی میں بیان کیے گئے دیگر اہم واقعات میں فریدہ اور آنٹی جی کے ساتھ فوجیوں کی بدتمیزی اور مار پیٹ بھی شامل ہیں۔ فریدہ اپنے شوہر کو فوجیوں سے بچانے کی کوشش میں تشدد کا نشانہ بنتی ہے(۳۵) جبکہ ایک اور دوسرے واقعے میں ایک خاتون اپنے بیٹے کو فوجیوں سے چھڑانے کی کوشش میں تشدد کا نشانہ بنائی جاتی ہے۔(۳۶)۔ ناول میں مصنفہ نے اپنی ریڈیو کی ملازمت کے دوران کا بھی واقعہ بیان کیا ہے جس میں شوپیاں کی رہائشی ایک سکول ٹیچر کے انٹرویو کا تذکرہ ہے۔ اس خاتون نے ریڈیو انٹرویو کے دوران انکشاف کیا کہ مجھے فوجیوں کی طرف سے کئی بار اجتماعی جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ اس حادثے کے بعد اس خاتون نے اپنی والدہ سمیت دریا میں کود جانے کا فیصلہ کیا جس کے نتیجے میں اس کی ماں ڈوب کر ہلاک ہو گئی جبکہ اسے کچھ لوگوں نے زندہ بچا لیا۔ اس دلخراش حادثے کے بعد اس خاتون نے برقعہ اوڑھنا شروع کیا تاکہ فوجی اسے پہچان نہ سکیں اور درندگی کا نشانہ نہ بنا سکیں۔(۳۷)

خواتین کی ہراسانی میں فوجیوں کے علاوہ اخوانی بھی پیش پیش ہیں جو خواتین کے ساتھ زبردستی تعلقات بنانے کی وجہ سے بدنام ہیں۔ ان اخوانیوں کو فوجیوں کی مکمل حمایت حاصل ہوتی ہے بلکہ فوجیوں کی موجودگی میں خواتین کو تنگ کرتے ہیں۔(۳۸)

ناول فائرنگ رینج میں بھی خواتین کے ساتھ فوجیوں کے ناروا سلوک کا تذکرہ ملتا ہے۔ ایک واقعے میں ناول کے کردار رمضان کے گھر تلاشی کے دوران اس کی جواں سال بیٹی نرگس کو فوجی افسر نے بازو سے پکڑ کر ساتھ لے جانے کی کوشش کی جسے اس کی والدہ نے افسر کے پاؤں پکڑ کر چھڑایا۔(۳۹)۔ فائرنگ رینج کے کردار خواجہ احمد قدوس کو جب فوجیوں نے حراست میں لیا تو اس سے پوچھ گچھ کے دوران اسے عسکریت پسندوں کے بارے میں سچ سچ بتانے کا کہا گیا اور ایسا نہ کرنے کی صورت میں اسے دھمکی دی گئی کہ اس کی جواں سال بیٹی نائیلہ کو ننگا کر کے بھیڑیوں (فوجیوں) کے حوالے کیا جائے گا۔(۴۰)۔ اس طرح مردوں کو خواتین کے نام پر بلیک میل کرنے کے واقعات بھی ریاستی جبر کی کارروائیوں کا حصہ ہیں۔ ناول کا کردار منظور احمد جب خواتین کے ساتھ جھیل ڈل کی سیر کے لیے جاتا ہے تو اس کو مقامی

لوگ شکار کے ایریا میں جانے سے روک دیتے ہیں کہ وہاں ملٹری والوں نے ناکہ لگا رکھا ہے اور آپ کے ساتھ مستورات ہیں اس لیے وہاں نہ جائیں۔(۴۱)اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فوجیوں کا خواتین کے ساتھ کس طرح کا سلوک روا رکھا جاتا ہے۔

2۔ حراستی مراکز میں خوفزدہ کرنا

حراستی مراکز میں جہاں جسمانی تشدد کیا جاتا وہیں مختلف قسم کے نفسیاتی حربے استعمال کر کے حراست میں لیے گئے افراد کو خوفزدہ بھی کیا جاتا ہے تاکہ زبردستی ان سے سچ اگلوایا جا سکے۔ ایسے میں جو تکنیک زیادہ استعمال کی جاتی ہیں ان میں انہیں شروع سے ہی ایسے خوفناک مناظر دکھائے جاتے ہیں جن سے دہشت اور خوف طاری ہو۔ مثلاً ناول فائرنگ رینج کا کردار منظور احمد حراستی مرکز پہنچنے کے بعد کا منظر ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

> "پہلی بار جب مجھے انٹروگیشن روم میں لیا گیا تو خوف کھانے اور عبرت حاصل کرنے کے لیے میری آنکھوں سے پٹی ہٹائی گئی۔۔۔ کمرے میں ہولناک اور دہشت انگیز اوزار اور ہتھیار دیکھ کر میری روح کانپ اٹھی۔ رسیاں، لاٹھیاں، زنگ آلود کیلیں، چاقو، بغدے، پٹے، پلاس، بجلی کے تار، نمک اور مرچ کی ڈھیریاں۔ اور بھی نہ جانے کیا کیا سامان وحشت کا۔ تیز روشنی کا ایک بلب میری آنکھوں کے سامنے لا کر ٹکا دیا گیا۔"(۴۲)

اس کے علاوہ حراست میں لینے کے بعد بے جا الزامات لگا کر ان کی تفتیش کی جاتی اور گھنٹوں طرح طرح کے سوالات پوچھے جاتے۔ اگر کوئی اپنی بے گناہی کا رونا روتا تو اسے گولی مار دینے کی دھمکی دی جاتی۔(۴۳) حراست میں لیے گئے افراد میں سے اگر کسی کو جسمانی تشدد کا نشانہ بنانا ہوتا تو باقی سب کو بھی للکارا جاتا اور بتایا جاتا کہ اگر آپ لوگوں نے بھی سچ نہ بتایا تو آپ کی بھی یہی حالت کی جائے گی۔ کسی ایک کو تشدد کے لیے لے جانا ہوتا تو باقی سب کو بھی نیند سے بیدار کیا جاتا اور بلند آواز میں بتایا جاتا کہ اٹھو فلاں کے مہندی لگائی جائے گی۔ شدید جسمانی تشدد کا نشانہ بنانے کے لیے اہلکاروں نے مہندی لگانے کی اصطلاح وضع کی تھی۔ کچھ قیدی مہندی لگانے کا نام سن کر ہی کانپ جاتے۔(۴۴)

فائرنگ رینج کے ایک اور کردار خواجہ احمد قدوس کو جب حراست میں لیا گیا تو اس پر بھی جسمانی تشدد کے علاوہ جذباتی اور نفسیاتی تشدد کے حربے استعمال کیے گئے۔ اثر و رسوخ استعمال کرنے کے بعد اسے رہائی تو مل گئی مگر اس کے بیٹے کی طرف سے تحریر لکھوائی گئی کہ ہم نے بالکل صحیح سلامت انہیں بازیاب کروایا ہے اور ان پر کسی قسم کا تشدد نہیں ہوا۔ اس کے برعکس اس کی رہائی کے فوراً بعد اسے ہسپتال منتقل کرنا پڑا کیوں کہ اس کے جسم پر جگہ جگہ تشدد کے نشانات تھے۔ ہسپتال کے ڈاکٹر خواجہ احمد قدوس کی حالت دیکھ کر حیران ہوتے ہیں کہ وہ شدید ذہنی اور نفسیاتی دباؤ کا شکار ہے۔(۴۵) بعد ازاں دوران حراست نفسیاتی اور جذباتی تشدد کا ذکر کرتے ہوئے اپنی بیوی زینت بیگم کو یہ بتاتے ہوئے رو پڑے کہ؛

> "زینت! مجھے معاف کرنا۔ تمہاری بیٹی کو انہوں نے نام لے لے کر گالیاں دیں۔ ایک سور بولا:'
> حرام کے جنے! سچ سچ بتا ورنہ تیری نائیلہ کو تیرے سامنے ننگا کر کے ان بھیڑیوں کے حوالے کر
> دوں گا۔"(۴۶)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حراستی مراکز میں جسمانی تشدد کے علاوہ کس طرح کے نفسیاتی تشدد کا استعمال کر کے لوگوں کو وہ سب کچھ بتانے پر مجبور کیا جاتا ہے جو انہوں نے کبھی نہیں کیا ہوتا۔

نفسیاتی تشدد کا نشانہ صرف وہی لوگ نہیں بنتے جنہیں گرفتار کر کے حراستی مراکز میں منتقل کیا جاتا ہے بلکہ ان کے لواحقین بھی اس مشکل گھڑی میں ذہنی خلفشار میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس طرح کے واقعات بعد ازاں کئی نفسیاتی الجھنوں کا سبب بھی بنتے ہیں جن سے چھٹکارا پانے میں کافی مشکلات کا سامنا رہتا ہے۔

3۔ عسکری طاقت کا کھلے عام اظہار

کشمیر میں بھارتی سکیورٹی فورسز کی کثیر تعداد موجود ہے۔ 1990ء میں شائع ہونے والی صحافیوں کی ایک رپورٹ کے مطابق اوسطاً سات کشمیریوں پر ایک فوجی تعینات ہے۔(۴۷) اس کثیر تعداد کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ مسلح جدوجہد کو کچلنے کے لیے ہر طرح کے حربے استعمال کرتے ہیں اور وادی میں ان کی موجودگی سے عام کشمیری خوف اور دہشت کی فضا میں سانس لیتے ہیں۔ وہ کسی بھی علاقے کا محاصرہ کر کے وہاں گھر گھر تلاشی اور شناخت پریڈ کی کارروائیاں

شروع کر دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ سکیورٹی فورسز کے اختیارات میں اس قدر اضافہ ہو گیا کہ کسی بھی شخص کو محض شک کی بنیاد پر موقع پر ہی گولی مار دینے کا حکم بھی شامل ہے۔ دہشت زادی کی مصنفہ کو بھی ایک بار فوجیوں نے اس وقت گولی مار دینے کی دھمکی دی جب وہ اپنی سہیلی نینا کے گھر جا رہی تھی۔(۴۸)

عسکری طاقت کے کھلے عام اظہار کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب کسی مخصوص علاقے کا کریک ڈاؤن کر کے وہاں شناخت پریڈ کا مرحلہ شروع کیا جاتا ہے۔ اس دوران کسی مشتبہ شخص کی نشاندہی پر اسے گرفتار کرنے کے لیے جس طرح کا تشدد کیا جاتا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ گرفتار ہونے والوں کے لواحقین جب انہیں فوجیوں کے چنگل سے چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں تو انہیں اس قدر مارا جاتا ہے کہ ان کی حالت خراب ہو جاتی ہے۔ اس طرح کے مناظر ناول دہشت زادی میں کئی جگہوں پر بیان کیے گئے ہیں جب فوجی اپنی پوری طاقت کا مظاہرہ کر کے مشتبہ نوجوانوں کو نہ صرف گرفتار کرتے ہیں بلکہ ان کے لواحقین کو بھی بری طرح تشدد کا نشانہ بناتے ہیں۔ مثلاً شناخت پریڈ کے مرحلے کے بعد جب ایک نوجوان کو گرفتار کیا جاتا ہے تو اسے بالوں سے گھسیٹ کر گاڑی کی طرف لایا جاتا ہے۔ اس کی ماں اسے چھڑانے کی کوشش کرتی ہے تو اس کو بھی فوجی لاتوں سے مار مار کر زمین پر گرا دیتا ہے۔ اسی دوران ایک نوجوان کو ننگا پریڈ کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔(۴۹) مولوی صاحب کے داماد کی گرفتاری کا منظر بھی فوجیوں کی طاقت کے اظہار کا عملی نمونہ ہے جسے ناول دہشت زادی میں بیان کیا گیا ہے۔ مولوی صاحب جب اپنے داماد کی رہائی کے لیے منتیں کرتے ہیں، فوجیوں کے سامنے زمین پر بیٹھ کر ان کو داماد کی بے گناہی کا یقین دلاتے ہیں تو فوجی اپنی طاقت کے نشے میں اس قدر مدہوش ہوتے ہیں کہ مولوی صاحب کی حالت دیکھ کر ہنستے ہیں اور اگلے ہی لمحے ان کے داماد کو لاتیں مار مار کر زمین پر گرا دیتے ہیں۔ نہ صرف مولوی صاحب بلکہ ان کی بیٹی فریدہ بھی اپنے شوہر کو چھڑانے کے لیے منت سماجت کرتی ہے۔ جب اس طرح فوجیوں کو کوئی اثر نہیں پڑتا تو وہ مزاحمت بھی کرتی ہے مگر فوجی اسے بری طرح لاتوں سے مار مار کر گرا دیتے ہیں اور آخر کار وہیں اس کے شوہر کو گولی مار دیتے ہیں۔(۵۰) فوجیوں کی اس طاقت کی وجہ سے پورا محلہ سہم جاتا ہے اور کسی کی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ انہیں روک سکیں۔ آنٹی جی کے بیٹے کی گرفتاری کا منظر بھی اسی طرح کا دہشت اور خوف پر مبنی ہوتا ہے جسے دہشت زادی میں بیان کیا گیا ہے۔(۵۱)

ناول دہشت زادی میں ایک اور واقعہ لل دید ہسپتال میں چھپے عسکریت پسندوں کی تلاش میں فوجیوں کے چھاپے اور کراس فائرنگ کا بیان کیا گیا ہے۔ فوجی پورے ہسپتال کا کونا کونا چھان مارتے ہیں یہاں تک کہ لیبر روم میں بھی جاتے ہیں جہاں خواتین نیم برہنہ حالت میں اور درد اور خوف کی کیفیت میں مبتلا ہوتی ہیں۔ فوجی ڈاکٹروں، نرسوں اور دیگر عملے سے سوالات کرتے ہیں۔ جب وہ نکل رہے ہوتے ہیں تو ان پر رجسٹرار کے دفتر کی عمارت میں چھپے عسکریت پسندوں کی طرف سے فائرنگ کی جاتی ہے جس کی وجہ سے کچھ فوجی مارے جاتے ہیں اس کے بدلے میں فوجیوں کی جانب سے ہسپتال پر مشین گن سے فائرنگ کی جاتی ہے ان کی اندھا دھند فائرنگ سے کئی مریض اور ان کے تیمار دار موقع پر جان سے مارے جاتے ہیں اور کئی دوسرے زخمی ہو جاتے ہیں۔ مصنفہ کے بقول؛

> "موت کا یہ کھیل کئی منٹوں تک جاری رہا۔ ان چند منٹوں میں نہ جانے کتنے گھر برباد ہو گئے درجنوں بچے یتیم اور درجنوں معذور ہو گئے۔ زمین پر خون ہے، لاشیں ہیں، کسی کی آنکھیں کھلی کسی کا ہاتھ اوپر کو اٹھا ہوا اور کسی کا پیر کٹا ہوا۔" (۵۲)

عسکری طاقت کے کھلے عام اظہار سے متعلق ناول فائرنگ رینج میں بھی کچھ واقعات بیان کیے گیے ہیں۔ مثلاً شناخت پریڈ کا اعلان ہونے کے بعد جب مردوں اور لڑکوں کو گراؤنڈ میں جمع ہونے کا کہا گیا تو فوجی دندناتے ہوئے گھروں میں گھس آئے اور لوگوں کو بانس کے ڈنڈوں اور بندوق کے بٹوں سے مار مار کر اور ہانک کر گراؤنڈ کی طرف لے جایا گیا اور اسی دوران ایک بوڑھے آدمی کو گولیاں مار دی گئیں۔ (۵۳)۔ اس کے علاوہ احتجاجی مظاہرے پر بغیر کسی پیشگی تنبیہ کے فائرنگ کی گئی جس سے کئی افراد موقع پر مارے گئے اور کئی زخمی بھی ہوئے جن میں ناول کا کردار حاجی عبدالجبار خان اور اس کا نو عمر پوتا اصغر خان بھی شامل تھے۔ (۵۴) ناول میں ایک اور واقعہ بیان کیا گیا ہے جس میں شناخت پریڈ کا اعلان ہوتے ہی لوگوں کو سکول کے گراؤنڈ میں جمع کیا جاتا ہے اور انہیں سختی سے بتایا جاتا ہے کہ کوئی شخص گھر میں نہ رہے اور جو کوئی گھر میں پایا گیا اس کو موقع پر ہی گولی مار دی جائے گی۔ ناول نگار نے فوجیوں کی کثرت اور طاقت کے اظہار کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے؛

"بستی کے ہر نکڑ پر فوجی گاڑی کھڑی تھی۔ گلیوں میں فوجی جوان چست و چابکدست پھیلے ہوئے تھے۔ ان کے لباس اور ہتھیاروں کو دیکھ کر لگتا تھا جیسے جنگ چھڑ گئی ہے۔ ان کی خشم آلود نگاہیں دیکھ کر لوگ تیز قدم اٹھاتے میدان کی طرف روانہ ہونے لگے۔ کوئی تساہل کرتا تو اسے گالیاں دے کر ڈنڈے مار کر ہانکا جاتا۔"(۵۵)

جب سارے مرد میدان میں جمع ہو گئے اور خواتین کو الگ بٹھا دیا گیا تو ایک فوجی افسر نے بلند آواز میں آ کر 'بھارت ماتا کی۔۔۔' کا نعرہ لگانا چاہا مگر مجمع خاموش رہا تو اس نے سپاہیوں کو ہوائی فائرنگ کا حکم دیا اور انہوں نے اشارہ ملتے ہی گولیوں کے کئی راؤنڈ خالی کر دیے جس سے مجمع میں سراسیمگی پھیل گئی۔ اب افسر نے دوبارہ لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا؛

"اب اگر مجھے نعرے کا جواب نہیں ملا تو پیڑوں سے پتے نہیں گریں گے زمین پر تمہاری لاشیں گریں گی:

'بھارت ماتا کی"

'جے'

'ہندوستان'

'زندہ باد'

ہاں اب ٹھیک ہے"(۵۶)

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ فوجی اپنی طاقت کے اظہار کے لیے کیا کچھ کرتے ہیں اور مقامی آبادی کو کس طرح کے نفسیاتی اور جذباتی دباؤ کا شکار کرتے ہیں۔

4۔ پکڑ دھکڑ اور حراست

سکیورٹی فورسز کی ظالمانہ کارروائیوں میں کریک ڈاؤن اور شناخت پریڈ کے دوران نوجوانوں کو گرفتار کر کے حراست میں لینا بھی شامل ہے۔ ریاستی جبر کی اس ظالمانہ کارروائی میں کئی نوجوانوں کو گرفتار کیا جاتا اور جن کا بعد میں سالوں تک کچھ معلوم نہ ہوتا کہ کب واپس آئیں گے اور نہ ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ زندہ بھی ہیں یا مار دیے گئے ہیں۔ 1989 سے 1998 تک ایک محتاط اندازے کے مطابق دس ہزار سے زائد نوجوانوں کو لاپتہ کیا گیا جس کی تصدیق لاپتہ افراد کے والدین کی تنظیم APDP نے کی ہے۔ ان گمشدہ افراد میں تقریباً دو ہزار ایسے بھی ہیں جو شادی شدہ تھے اور ان کی بیویاں اس تذبذب کا شکار ہیں کہ وہ اپنی زندگی کا کیا کریں نہ وہ اپنی زندگی کا پہلا باب ختم کر سکتی ہیں اور نہ ہی دوبارہ شادی کر سکتی ہیں۔ ایسی مظلوم خواتین کو 'آدھی بیوائیں' (Half Widows) کہا جاتا ہے۔(۵۷)

منتخب ناولوں میں بیان کردہ کئی واقعات پکڑ دھکڑ کی کارروائیوں کے بیان کیے گئے ہیں۔ پکڑ دھکڑ اور حراست میں لینے کا منظر اتنا خوف ناک ہوتا ہے کہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حراست میں لینے اور انہیں انٹروگیشن سنٹر منتقل کرنے کے بعد ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جاتا ہو گا۔ ناول دہشت زادی میں بیان کیے گئے ایک واقعے کے مطابق فوجی گرفتاری کی غرض سے لڑکوں کو بالوں سے پکڑ کر اور گھسیٹ کر گاڑیوں میں منتقل کرتے ہیں۔ اس دوران ان کی ماؤں کو جو انہیں چھڑانے کی کوشش کرتی ہیں پر بھی تشدد کیا جاتا ہے۔ مصنفہ اس واقعے کے متعلق لکھتی ہیں کہ "اس منظر کو بیان کرنا انتہائی مشکل ہے کیونکہ یہ منظر اتنا ڈراؤنا اور خوف زدہ کہ میں اسے دیکھ کر کچھ لمحوں کے لیے منجمد ہو گئی۔"(۵۸) علاوہ ازیں مولوی صاحب کے داماد کی گرفتاری کے وقت بھی ایسا ہی خوف ناک منظر ہوتا ہے جب اس پر بدترین انداز میں تشدد کیا جاتا ہے اور اسی دوران مزاحمت پر قتل بھی کر دیا جاتا ہے۔ اس کارروائی میں اس کی بیوی فریدہ پر بھی بدترین جسمانی تشدد کیا جاتا ہے کہ وہ اسے چھڑانے کی کوشش کرتی ہے۔ شناخت پریڈ کے مرحلے کے دوران دہشت زادی کی کردار آنٹی جی کے بیٹے کو بھی دیگر تین نوجوانوں کے ہمراہ حراست میں لینے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ حراست میں لینے کے اگلے روز ہی صبح مسجد کے احاطے سے ان چاروں نوجوانوں کی مسخ شدہ لاشیں ملتی ہیں۔

حراست میں لینے کا ایک واقعہ ناول فائرنگ رینج میں بھی بیان کیا گیا ہے جب ناول کے کردار منظور احمد کو رات گئے اس وقت گرفتار کیا گیا جب وہ پڑوسی پنڈت خاندان کو اپنی ٹیکسی میں بٹھا کر ٹنل پار تک چھوڑ کر واپس آرہا تھا۔

فوجیوں کی طرف سے پکڑ دھکڑ کی کارروائیوں کا خوف اس قدر زیادہ تھا کہ لڑکے کرکٹ کھیلنے کے لیے بھی محفوظ مقام تلاش کرتے تھے۔ فوجیوں کی گاڑی اگر دور سے بھی نظر آجاتی تو لڑکے خوف کے مارے بھاگ جاتے۔ فائرنگ رینج میں لکھا ہے کہ؛

> "اس دن گاؤں کا سکول بند تھا۔ اور اس کے احاطے میں لڑکے بالے کرکٹ کھیل رہے تھے۔ کچھ نوجوان بھی تھے جو سڑک سے گزرنے والی فوجی گاڑیوں کو دیکھتے تو گھروں میں گھس کر دبک جاتے اور جب گاڑیاں گاؤں سے دور موڑ کاٹ کر نظروں سے اوجھل ہو جاتیں تو وہ سہم سہم کر نکلتے اور پھر سے کھیل میں مصروف ہو جاتے۔ کریک ڈاؤن اور پکڑ دھکڑ کے خوف سے اس گاؤں کے اکثر نوجوانوں نے قدرے محفوظ مقامات پر عارضی پناہ لی تھی۔
>
> اچانک ایک فوجی گاڑی سڑک پر آکر رک گئی اور کچھ فوجی جوان اتر کے سڑک کے کنارے پر دور تک بکھر گئے۔ کریک ڈاؤن کے ڈر سے کچھ لڑکے بھاگ کر ٹیکری پر چڑھ گئے۔"(۵۹)

منتخب ناولوں میں جسمانی تشدد اور نفسیاتی تشدد کے اظہار کی کئی صورتیں نظر آتی ہیں جنہیں مکمل تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ریاستی جبر کے تحت ہونے والے تشدد میں شناخت پریڈ کے نام پر بے گناہ افراد کو حراست میں لے کر تشدد کا نشانہ بننے والوں کی کثیر تعداد ہے جن کا تذکرہ ناولوں میں تفصیلی طور پر کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں پکڑ دھکڑ کی کارروائیوں، گھر گھر تلاشی اور کرفیو کے دوران بھی مقامی آبادی کو کئی طرح سے پریشان کیا جاتا رہا ہے۔ لوگوں میں عسکری طاقت کے کھلے عام اظہار سے کئی نفسیاتی مسائل کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ سکیورٹی فورسز کو ملنے والے اختیارات کے غلط استعمال سے کئی بے گناہ جانوں کا ضیاع ہوا۔

حوالہ جات

1۔ نعیمہ احمد مہجور، دہشت زادی، ص28

2۔ ایضاً، ص94

3۔ ایضاً، ص123

4۔ ایضاً، ص140

5۔ شفق سوپوری، فائرنگ رینج: کشمیر1990ء، ص12

6۔ ایضاً، ص30۔31

7۔ نعیمہ احمد مہجور، دہشت زادی، ص94

8۔ ایضاً، ص93

9۔ ایضاً، ص150

10۔ ایضاً، ص239

11۔ ایضاً، ص267

12۔ شفق سوپوری، فائرنگ رینج: کشمیر1990ء، ص35۔36

13۔ ایضاً، ص12

14۔ ایضاً، ص74

15۔ ایضاً

16۔ ایضاً، ص75

17۔ ایضاً

18۔ ایضاً، ص76

19۔ ایضاً، ص77

20۔ ایضاً

21۔ ایضاً، ص78

22۔ ایضاً، ص111

23۔ نعیمہ احمد مہجور، دہشت زادی، ص68

24۔ شفق سوپوری، فائرنگ رینج: کشمیر1990ء، ص144

25۔ طاہر اسعدی (مترجم)، کشمیر وادی مسرت، وادی موت (ولیم ڈبلیو بیکر)، ڈیفینڈر پبلیکیشنز، لاہور، 1994ء، ص55

26۔ ایضاً، ص56

27۔ نعیمہ احمد مہجور، دہشت زادی، ص93

28۔ شفق سوپوری، فائرنگ رینج: کشمیر1990ء، ص111

29۔ محمد بشیر بٹ، جموں وکشمیر کی دردناک تصویر، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، 2016ء، ص351

30۔ ایضاً، ص353

31۔ نعیمہ احمد مہجور، دہشت زادی، ص96

32۔ ایضاً

33۔ ایضاً، ص203

34۔ ایضاً، ص204

35۔ ایضاً، ص139

36۔ ایضاً، ص94

37۔ ایضاً، ص256

38۔ ایضاً، ص235

39۔ شفق سوپوری، فائرنگ رینج: کشمیر1990ء، ص105

40۔ ایضاً، ص141

41۔ ایضاً، ص135

42۔ ایضاً، ص74

43۔ ایضاً، ص72

44۔ ایضاً، ص74

45۔ ایضاً، ص144

46۔ ایضاً، ص141۔142

47۔ محمد بشیر بٹ، جموں و کشمیر کی دردناک تصویر، ص377

48۔ نعیمہ احمد مہجور، دہشت زادی، ص61

49۔ ایضاً، ص93

50۔ ایضاً، ص141

51۔ ایضاً، ص264

52۔ ایضاً، ص151

53۔ شفق سوپوری، فائرنگ رینج: کشمیر1990ء، ص12

54۔ ایضاً، ص36

55۔ ایضاً

56۔ ایضاً، ص110

57۔ محمد بشیر بٹ، جموں وکشمیر کی دردناک تصویر، ص444

58۔ نعیمہ احمد مہجور، دہشت زادی، ص93

59۔ شفق سوپوری، فائرنگ رینج: کشمیر1990ء، ص85-86

باب چہارم

منتخب ناولوں میں جبر اور تشدد کی عکاسی کے فنی وسائل کا جائزہ

کسی بھی ناول کے اجزائے ترکیبی میں قصے اور پلاٹ کے علاوہ مکالمے، کردار اور منظر نگاری کا استعمال کہانی کے ارتقائی سفر کو بہترین انداز میں اختتام کی طرف لے جاتا ہے۔ واقعات کے تسلسل میں ان اجزائے ترکیبی سے ہی قاری کو کہانی کی سمجھ میں آسانی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ کہانی میں بیان کیے گئے نقطہ نظر کی تفہیم میں بھی ان اجزاء کا کردار اہم ہے۔ منتخب ناولوں میں جبر اور تشدد کی عکاسی کے جن فنی وسائل کا فرداً فرداً جائزہ پیش کیا جائے گا، ان میں مکالمے، کردار، منظر نگاری اور بیانیہ شامل ہیں۔

الف۔ مکالمے

کردار کسی بھی افسانوی ادب کا اہم جزو ہوتے ہیں۔ افسانے، ناول یا ڈرامے میں کہانی بیان کرنے کے لیے کرداروں کے درمیان بات چیت، بحث و مباحثہ اور لڑائی جھگڑے کے دوران ہونے والی گفتگو مکالمہ کہلاتی ہے۔ لفظ 'مکالمہ' عربی زبان سے نکلا ہے جس کے معانی بات چیت، گفتگو، سوال جواب وغیرہ کے ہیں۔ ادبیات کی اصطلاح میں دو یا دو سے زائد اشخاص کی گفتگو کو انہی کے الفاظ میں نقل کرنا مکالمہ کہلاتا ہے۔(۱) افسانوی ادب میں کرداروں کے درمیان ہونے والی گفتگو مکالمہ کہلاتی ہے۔ ڈاکٹر مجید بیدار مکالمہ کی تعریف کے ضمن میں لکھتے ہیں؛

> "گفتگو کا ایسا انداز جو دو یا دو سے زائد شرکاء کے خیالات کے تبادلے کا ضامن ہو یا پھر کرداروں کے درمیان بات چیت کے رویہ کی نمائندگی کرتا ہو تو اسے مکالمہ کا درجہ دیا جاتا ہے۔"(۲)

جبکہ ڈاکٹر سفینہ بیگم کے مطابق؛

> "مکالمہ وہ طریقہء کار ہے جس میں کردار گفتگو کرتا ہے۔ مکالمہ کردار کے انتخابِ الفاظ، جملے میں الفاظ کی ترتیب، آواز کا اتار چڑھاؤ اور ڈکشن (Diction) پر مشتمل ہوتا ہے جس سے اس

بات کا اندازہ لگایا جاتا ہے کہ کردار سنجیدہ ہے یا مزاحیہ، پسندیدہ ہے یا قابل نفریں، شرمیلا ہے یا بے باک وغیرہ۔"(۳)

افسانوی ادب بالخصوص ناول میں کہانی بیان کرنے اور نقطہ نظر واضح کرنے کے لیے ناول نگار کرداروں کے درمیان ہونے والے مکالمے کا سہارا لیتا ہے۔ یہ مکالمے دو یا دو سے زائد کرداروں کے درمیان ہوتے ہیں اور کہانی کو آگے بڑھانے اور واقعات میں تسلسل پیدا کرنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر سہیل بخاری ناول میں مکالمے کی اہمیت اور ضرورت کے متعلق لکھتے ہیں:۔

> "مکالمہ بھی قصے کا ایک جزو ہے۔ کرداروں کی خصوصیات اور ان کے رجحانات سے جتنا ہم مکالمے کے ذریعے واقف ہوتے ہیں دوسری طرح ممکن نہیں۔ وہ ان کے میلانات و داعیات کو زیادہ سے زیادہ واضح کرتا اور ان کی شخصیت پر سے بہت سے پردے اٹھا دیتا ہے۔ اس سے پلاٹ کے ارتقاء میں بھی بڑی مدد ملتی ہے لیکن اس کا صحیح اور بر محل استعمال ہی حقیقی کامیابی ہے۔ مکالمے کے جملے جس قدر مختصر، چست، برجستہ اور بر محل ہوں گے ناول کی حقیقی دلکشی میں اتنا ہی اضافہ ہو جائے گا۔ مکالمہ واقعات میں اس طرح پیوست ہونا چاہیے کہ اسے وہاں سے ہٹا دینا ناممکن معلوم ہو۔"(۴)

منتخب ناولوں میں ریاستی جبر اور تشدد کی عکاسی کو موزوں انداز میں پیش کرنے کے لیے بھی ناول نگاروں نے کرداروں کے درمیان ہونے والے مکالموں کا استعمال کیا ہے۔ ان میں سے کچھ مکالمے مقامی آبادی کی ذہنی حالت کو بیان کرتے ہیں جب وہ مجموعی صورت حال کا اظہار کرتے ہیں جبکہ کچھ مکالمے سکیورٹی فورسز کے اہلکاروں اور مقامی کرداروں کے درمیان ہوتے ہیں۔ ان مکالموں میں ایک طرف سے التجا اور لاچارگی نظر آتی ہے جبکہ دوسری طرف رعونت، طاقت اور تکبر کا اظہار نمایاں نظر آتا ہے۔

ناول دہشت زادی کی مصنفہ جو کہ ناول میں مرکزی کردار کی حیثیت سے بھی شامل ہے اور ریڈیو اسٹیشن میں کام کرتی ہے، جب علاقے میں تازہ تشدد اور بدامنی کی صورت حال کے بعد اپنے والد کے گھر پہنچتی ہے تو وہاں اس کی بہنیں اسے دیکھ کر حیران ہوتی ہیں کہ ایسے حالات میں وہ کیسے یہاں تک پہنچی ہے۔ وہ اس بے یقینی سے اسے گلے لگا کر

ملتی ہیں جیسے اس کا زندہ ہونا کوئی معجزہ ہو۔ جب وہ اس بارے استفسار کرتی ہے تو اس کی بڑی بہن حفیظہ کی جانب سے اسے جس رد عمل کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ ان کے درمیان ہونے والے مکالمے میں نظر آتا ہے۔ "تشدد کے اس واقعے سے پوری وادی ہل گئی ہے، کمال ہے آپ کو میڈیا میں کام کرنے کے باوجود معلوم نہیں، حیرت ہے، آپ میڈیا میں کام کرنے کے قابل نہیں۔"(۵)

اسی طرح مصنفہ جب گھر جانے کے لیے بس کے انتظار میں سٹاپ پر کھڑی ہوتی ہے تو وہاں افراتفری کا عالم نظر آتا ہے جسے بانپ کر وہ پاس کھڑے نوجوان سے پوچھتی ہے کہ یہاں اتنے لوگ کیوں جمع ہیں تو وہ پر جوش انداز میں جواب دیتا ہے کہ "میری بہن آزادی کی جنگ شروع ہو گئی ہے، بھارت کے خلاف جنگ کا اعلان ہو چکا ہے۔"(۶)

مصنفہ جب حیرت سے یہ بات سنتی ہے تو نوجوان پہلے سے بھی پر جوش انداز میں بولتا ہے کہ "جی ہاں، آزادی کا سورج انشاء اللہ جلدی طلوع ہو گا۔ کب تک بھارتی حکمران ہمیں مظلوم بناتے رہیں گے۔"(۷)

مصنفہ اور نوجوان کے اس مکالمے میں وہاں کے ماحول میں بھارتی بربریت کے بعد جذبہء آزادی میں جوش اور ولولہ نظر آتا ہے اور واضح ہوتا ہے کہ عام کشمیری بھارتی قبضہ کو کسی بھی طرح قبول کرنے سے انکاری ہیں۔

ناول دہشت زادی کے مکالموں میں کہیں کہیں مسئلہ کشمیر کی تاریخی حیثیت اور شیخ عبداللہ کے بھارت کے ساتھ گٹھ جوڑ کی عکاسی بھی نظر آتی ہے کہ کس طرح بھارت نے شیخ عبداللہ کو پہلے اقتدار کا لالچ دے کر بھارت سے الحاق پر قائل کیا اور بعد میں ٹال مٹول سے کام لیا گیا۔ مصنفہ جب اسی بارے میں اپنے والد سے سوال کرتی ہے تو جواب ملتا ہے؛

> "شیخ عبداللہ نے بھارت کے ساتھ رشتہ کر کے یہ کہاں سوچا تھا کہ بھارت دھونس دباؤ کے تحت کشمیر کو لونڈی بنائے گا۔ رشتہ طاقت کے بل پر نہیں بنتا بلکہ عزت اور وقار کی برابری پر قائم ہوتا ہے، ہماری تین نسلوں نے ہر موڑ اور ہر مرحلے پر بھارت کی چودھراہٹ دیکھی، اس نے ہمارے ساتھ رشتہ کر کے ہمیں یرغمال کر دیا، ہمارے حقوق سلب کر لیے، ہماری آزادی چھین لی۔"(۸)

بھارتی سکیورٹی فورسز کریک ڈاؤن اور شناخت پریڈ کے دوران جب پکڑ دھکڑ کی کارروائیاں کرتی ہیں تو اس وقت ان سے مقامی افراد کے مکالموں میں کربناک صورت حال کی عکاسی ملتی ہے۔ سکیورٹی اہلکاروں کو کسی پر بھی رحم نہیں آتا اور نہ ہی ان پر کسی التجا اور گریہ وزاری کا اثر ہوتا ہے بلکہ جتنی منت سماجت کی جاتی ہے اتنا ہی ان کا غصہ بڑھتا جاتا ہے۔ ناول دہشت زادی میں جب شناخت پریڈ کے دوران مشتبہ افراد کی نشاندہی کی جاتی ہے تو ان میں ایک نو عمر لڑکے کو بھی گرفتار کیا جاتا ہے جس کی ماں فوجی اہلکار سے گڑگڑا کر اس کی بے گناہی کا یقین دلاتی ہے؛"میرا بیٹا بے قصور ہے، شدت پسند نہیں۔ نادان بچہ ہے ابھی ٹیچر کے گھر سے واپس آیا ہے۔ ہمارے گھر میں کوئی بندوق نہیں، کوئی اسلحہ نہیں ہے، میرا گھر کھلا ہے، جا کر خود دیکھ لو(۹)۔" مگر اس یقین دہانی کا فوجی اہلکار پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ اس عورت کو لات مار کر زمین پر گرا دیتا ہے۔

انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں اور انسانیت کی تذلیل کی عکاسی بھی مکالموں میں نظر آتی ہے۔ ایسی ہی صورت حال ناول فائرنگ رینج: کشمیر 1990ء میں شناخت پریڈ کے مرحلے کے دوران نظر آتی ہے جب سخت گرمی میں کھلے میدان میں گھنٹوں سے بیٹھے لوگوں میں سے ایک بزرگ آدمی نے فوجی اہلکار سے پانی پینے کا مطالبہ کیا تو اس پر وہ سخت غصے میں آ گیا اور بزرگ کو بری طرح ڈانٹ دیا۔ مختصر، چست اور معنی خیز مکالمے کی مثال یہ ہے۔

> "بیٹا۔! بوڑھے پر ترس کھاؤ۔۔۔ پانی پینے دو۔ تمہارے گھر میں بھی تو کوئی بزرگ ہو گا۔۔۔
> تمہیں اس کی قسم ہے۔'
>
> سپاہی نے یہ سن کر اپنے پتلون کی زپ نیچے اتار دی۔ یہ دیکھ کر پیاسے بزرگ نے گردن جھکائی۔
> سپاہی نے اپنی بندوق کی نال کا سرا بزرگ کی ٹھوڑی میں گاڑ کے اس کا سر اوپر اٹھایا اور بولا:
>
> 'بہت پیاس لگی ہے بابا؟ پانی پیو گے؟ نکال دوں؟"(۱۰)

کچھ مکالمے بالکل یکطرفہ نوعیت کے ہوتے ہیں، جس میں ایک طرف سے منت سماجت ہو رہی ہوتی ہے جبکہ دوسری طرف سے کوئی زبانی جواب دینے کے بجائے لاتوں اور مکوں سے جواب دیا جاتا ہے، جیسا کہ ناول دہشت زادی کی کردار نوبیاہتہ دلہن فریدہ کے شوہر کو جب کریک ڈاؤن کے دوران گرفتار کرنے کے لیے فوجی کارروائی شروع کرتے

ہیں تو وہ التجائیں کرتی رہ جاتی ہے کہ؛"میرا شوہر بندوق بردار نہیں، وہ مجاہد نہیں، دہشت گرد نہیں، ہم محنت مزدوری کر کے اپنا گزارا کرتے ہیں، اللہ کے واسطے اس کو چھوڑ دو۔"(۱۱) مگر اس کے بدلے میں اس کے شوہر کو لاتوں اور مکوں سے مار مار کر گاڑی میں ڈال دیا جاتا ہے۔

ناول فائرنگ رینج: کشمیر 1990ء میں کچھ طویل اور یک طرفہ مکالمے بھی ملتے ہیں جن میں دوران حراست جسمانی تشدد کی تفصیلات کی عکاسی نظر آتی ہے۔ ناول کا ایک مرکزی کردار منظور احمد شاہ اپنے اور دیگر زیر حراست ساتھیوں پر ہونے والے بہیمانہ تشدد کو ہیومن رائٹ کمیشن کے نمائندے نریش کمار چیٹرجی کے سامنے بیان کرتا ہے۔ چیٹرجی اس مکالمے میں محض بات کو آگے بڑھانے کے لیے مختصر جملوں کا سہارا لیتا ہے جبکہ منظور احمد کی گفتگو میں ساری تفصیلات ملتی ہیں۔

> " پھر کپڑے اتارے گئے۔ پہلے پرانے زخموں سے کھرنڈ اتار دیا گیا۔ جب خون کی بوندیں رسنے لگیں تو زخموں پر کھارے پانی کا چھڑکاؤ کیا گیا۔ میں بلبلا اٹھا۔ لنڈ کریاں کھانے لگا۔۔۔ ایسا درد، ایسی جھل جھلاہٹ، ایسی تپک، ایسی تپش، ایسا کرب کہ جس سے چھوٹنے کے لیے آدمی خوشی خوشی موت کو گلے لگانے پر راضی ہو جائے۔ میں گڑگڑا کر رونے لگا:
>
> ہاں میں دہشت گرد ہوں۔ میرے پاس کلاشنکوف ہے۔ بھگوان کے لیے مجھے پھانسی پر چڑھا دیجیے۔ میرا انکاؤنٹر کیجیے۔"(۱۲)

ناول نگار قصے کے ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے بھی کرداروں کے درمیان ہونے والے مکالموں سے مدد لیتا ہے۔ اسے واقعات کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے لیے بھی مکالموں کی ضرورت پڑتی ہے۔ کشمیر میں نوے کی دہائی میں جب حالات قابو سے باہر ہو گئے تو وہاں برسوں سے اکٹھے رہنے والے پنڈت خاندانوں کو بھی ہجرت کر کے جموں اور بھارت کی دیگر ریاستوں میں پناہ لینی پڑی۔ ان پنڈتوں پر ایک طرف تو سکیورٹی فورسز کا دباؤ تھا کہ یہاں آپ لوگوں کی جانوں کو خطرہ ہے اور جلد از جلد یہاں سے محفوظ علاقوں کی طرف ہجرت کر جائیں اور دوسرا عسکریت پسندوں کی جانب سے بھی انہیں مسلسل دھمکیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ اس صورت حال میں جب ایک پنڈت خاندان ہجرت کے لیے تیار

ہے اور اس کے مسلمان پڑوسی اس کو رخصت کرنے کے لیے جاتے ہیں تو ان کے درمیان ہونے والے مکالموں میں احساسات اور جذبات کا بہاؤ نظر آتا ہے۔ ان مکالموں میں بچوں کے کردار بھی حالات کا تذکرہ کرتے نظر آتے ہیں جن سے اندازاہ ہوتا ہے کہ ان حالات کا بچوں کی نفسیات پر کتنا اثر پڑا ہے۔ ماسٹر ترلوک ناتھ کا پوتا منا اپنے ہم عمر دوست اور پڑوسی نوید کو اپنا کرکٹ بلا دیتے ہوئے کہتا ہے؛

"لو یہ تم رکھ لو۔۔۔ ہم دادی کے پاس جارہے ہیں۔ مجھے پاپا نیا بلا لا کر دے دیں گے۔ ممی کہتی ہے پاپا جھوٹ بولتے ہیں۔ وہاں خیموں میں کرکٹ گراؤنڈ کہاں ہوگا مگر تم سب کرکٹ کھیلنا۔ میں ایک دن ضرور آؤں گا۔"(۱۳)

اور جب نوید اپنے ماں کا دامن پکڑ کر ان کے یہاں سے جانے کی وجہ پوچھتا ہے تو وہ آنسو پونچھتے ہوئے بتاتی ہے "یہ لوگ یہاں ڈر رہے ہیں۔" اس پر ننھا نوید گہری سوچ میں پڑ جاتا ہے اور کچھ دیر بعد کہتا ہے؛

"ہاں۔۔۔ مجھے معلوم ہے یہ لوگ جلوسوں کے ڈر سے بھاگ رہے ہیں۔ اسی لیے جلوسوں پر فائرنگ کی جاتی ہے۔۔۔ ممی! ممی!! میں بھی جلوسوں سے ڈرتا ہوں، نعروں سے خوف آتا ہے۔۔۔ چلو ہم بھی بھاگتے ہیں۔ منے کے ساتھ۔"(۱۴)

کشمیر میں ہونے والی بدامنی اور مارا ماری کے ماحول میں کوئی بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ روزمرہ زندگی میں نئے استعمال ہونے الفاظ مثلاً گشتی (فورسز کی گشت پر مامور گاڑی)، کلاشنکوف (کچھ کشمیری اسے کاشنکوف کہتے)، کریک ڈاؤن، برسٹ (Burst) اور شناخت پریڈ وغیرہ کا اضافہ ہوا۔ عام کشمیری اپنی زندگی میں ان الفاظ کا استعمال کرنے لگ گیا تھا۔ ناول فائرنگ رینج کا کردار رمضان (حجام) جب ایک جلوس پر ہونے والی فائرنگ سے جان بچا کر گھر پہنچا تو اس کی حالت زار دیکھ کر اس کی بیٹی اور بیوی نے سوالات کی بوچھاڑ کر دی، جس پر رمضان نے جھنجھلا کر کہا؛ "تم لوگ یہ کریک ڈاؤن اٹھاؤ تو میں بھی کچھ کہوں۔ نور بیگم! تمہارا منہ ہے یا کاشنکوف۔۔۔ بَرسٹ پر بَرسٹ مارتی ہو۔"(۱۵)

آئے روز کرفیو، کریک ڈاون، پکڑ دھکڑ اور شناخت پریڈ سے مقامی آبادی جس بے چینی، بے یقینی اور شدید مایوسی کا شکار تھی اس کا اظہار بھی مکالموں میں نظر آتا ہے۔ ان حالات میں عام کشمیری طبقہ بھارتی حکومت کی پالیسیوں

سے متنفر اور بیزار دکھائی دیتا ہے۔ ناول دہشت زادی کے دو اہم کرداروں بابا (مصنفہ کے والد) اور مولوی صاحب کے درمیان مکالمہ اس کی بہترین مثال ہے۔ مولوی صاحب انتہائی پریشانی کے عالم میں کہتے ہیں؛

> " ہماری حالت کتوں جیسی ہو گئی ہے، اپنی گلی، اپنے گھر، اپنی زندگی پر کنٹرول نہیں رہا ہے ہم سب کو بمباری کر کے ایک ہی بار ختم کیوں نہیں کرتے " اس پر بابا بظاہر حوصلہ دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ 'مولوی صاحب حوصلہ رکھیں ناامیدی گناہ ہے۔' اس پر مولوی صاحب مایوسی کے عالم میں بڑبڑاتے ہوئے نکل جاتے ہیں کہ " کیا حوصلہ رکھوں بھائی میرا حوصلہ ہی ختم ہو رہا ہے۔" (١٦)

دن بدن بگڑتی صورت حال سے ریاستی پولیس کے اہلکار بھی دوہری اذیت کا شکار نظر آتے ہیں۔ ایک طرف انہیں بھارتی سکیورٹی فورسز کی طرف سے دباؤ کا سامنا رہتا ہے جس کی بنیادی وجہ کریک ڈاون اور کرفیو کے دوران پکڑ دھکڑ کی کارروائیوں میں پولیس کی معاونت درکار ہوتی ہے جبکہ دوسری طرف مقامی آبادی کی توقعات کا بوجھ بھی اٹھانا پڑتا ہے۔ ایسے میں جوں ہی کسی شخص کو حراست میں لیا جاتا ہے تو اس کے اہل خانہ اور عزیز و اقارب اس کی گمشدگی اور اغوا کی رپورٹ درج کرانے پولیس اسٹیشن پہنچ جاتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے عزیزوں کی جلد از جلد واپسی کے لیے اثر و رسوخ استعمال کرتے ہیں تاکہ انہیں دوران حراست تشدد سے بچایا جا سکے اور جلد رہا کروایا جا سکے۔ ایسی صورت حال میں انہیں مقامی آبادی کی جانب سے شدید دباؤ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسی ہی صورت حال کی عکاسی ناول فائرنگ رینج: کشمیر 1990ء میں ملتی ہے جب نورالدین شاہ محلے کے لڑکوں کو سکیورٹی فورسز کی حراست سے رہائی کے لیے بار بار پولیس اسٹیشن کے چکر لگاتا ہے تو تھانیدار روز روز کے مطالبات سے تنگ آکر الجھ پڑتا ہے اور اپنی ساری الجھن کا اظہار کر دیتا ہے۔

> " کیا کہا آپ نے ؟ کیسی سرکار؟ کس کی جان؟ کون سامال؟ اور کیا عزت و آبرو؟ صاحب ہم تو دونوں طرف سے لاتیں کھانے پر مجبور ہیں۔۔۔ ان سالوں کو دس بار سلوٹ مارو، اپنے لڑکوں کو ماں بہن کی گالیاں دو، تب جا کے کوئی چھوٹ کے آتا ہے۔ ہماری مثال تو وہی ہو گئی ہے کہ کیا

کہتے ہیں منشی جی! ہاں نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم، نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے۔شاہ صاحب بس یوں سمجھئے کہ چھاتی پر گھمر گھمر چکی چل رہی ہے۔"(۱۷)

منتخب ناولوں میں کرداروں کے درمیان ہونے والے مکالموں کا جائزہ لیا جائے تو ناولوں میں بیان کردہ جبریہ ماحول کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔ناول نگاروں نے ریاستی جبر کے تحت ہونے والے تشدد، گھر گھر تلاشی، کریک ڈاؤن، کرفیو اور شناخت پریڈ جیسے ہتھکنڈوں کا انسانی نفسیات پر پڑنے والے اثرات کو کرداروں کے درمیان ہونے والے مکالموں کی صورت میں بیان کیا ہے۔ناول دہشت زادی کے مکالموں میں البتہ سپاٹ اور سطحی جملوں کا استعمال قدرے زیادہ ملتا ہے۔ اس کے برعکس فائرنگ رینج کے مکالموں میں کرداروں کی نفسیات، ان کی جنس، عمر اور ان کی عادات و اطوار کی عکاسی زیادہ بہتر انداز میں ملتی ہے۔ علاوہ ازیں دہشت زادی کے کرداروں کے درمیان مکالموں میں مختصر جملوں کا استعمال زیادہ ملتا ہے۔اس میں زیادہ تر مصنفہ کی جانب سے بیانیہ انداز استعمال کیا گیا ہے اور صرف ضرورت کے تحت کرداروں کے درمیان مکالموں کا سہارا لیا گیا ہے۔ اس کے برعکس فائرنگ رینج: کشمیر 1990ء کے مکالمے زیادہ طویل اور حالات کی پوری ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں۔

ب۔منظر نگاری

ناول کے اجزائے ترکیبی میں منظر نگاری کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔ کسی بھی واقعے کو بیان کرنے کے لیے جب تک اس کے ارد گرد کے ماحول اور پس منظر کا صحیح علم نہیں ہو گا تو وہ واقعہ قاری کو اجنبی محسوس ہو گا بلکہ اسے ناول کو سمجھنے میں دشواری ہو گی۔ڈاکٹر یحیٰ ابدالی ناول میں منظر نگاری کی اہمیت بارے میں لکھتے ہیں؛

"اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔اس میں پورے ناول کا ماحول آجاتا ہے۔منظر نگاری اور فضابندی سے واقعات اور کرداروں کے منظر اور پس منظر کو بھی حقیقی اور عملی زندگی کا آئینہ دار ہونا چاہیے۔اور جو منظر پیش کیا جائے اس کی تصویر آنکھوں میں کھنچ جانی چاہیے۔"(۱۸)

اسی طرح علی حیدر رسید بھی ناول میں منظری نگاری کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛

"کامیاب منظر نگاری سے ناول کے قصے میں جان پڑتی ہے۔کامیاب منظر نگاری سے مراد یہ ہے
کہ ناول نگار جس چیز کا منظر پیش کرے اس کی تصویر آنکھوں کے سامنے کھنچ جائے۔"(۱۹)

منتخب ناولوں میں ریاستی جبر اور تشدد کی عکاسی کے لیے ناول نگاروں نے جن فنی وسائل کا استعمال کیا ہے ان میں منظر نگاری کی بڑی اہمیت ہے۔بھارتی سکیورٹی فورسز کی ریاستی جبر کی مختلف کارروائیوں مثلاً گھر گھر تلاشی، کرفیو، کریک ڈاؤن، شناخت پریڈ کے دوران مقامی آبادی کو جس انداز میں نشانہ بنایا گیا اور جس قدر وہ متاثر ہوئے ہیں، اس کے مناظر ناول نگاروں نے مختلف مقامات پر بڑی باریک بینی اور مشاہدے کے بعد پیش کیے ہیں جن سے سارے ماحول کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔

شناخت پریڈ کے مناظر

شناخت پریڈ کے مرحلے میں سکیورٹی اہلکار کسی بھی علاقے کا محاصرہ کر کے وہاں مردوں اور عورتوں یا بعض اوقات صرف مردوں کو کسی کھلے میدان میں یا کسی بھی جگہ اکٹھا ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔ اس میں ان کی معاونت سابقہ عسکریت پسند کرتے ہیں جنہیں فوجی گرفتار کرنے کے بعد ڈرادھمکا کر اپنے ساتھ ملا لیتے ہیں اور انہیں مشتبہ افراد کو شناخت کرنے کا کام لیتے ہیں۔ مقامی آبادی انہیں اِخوانی کے نام سے پکارتی ہے اور اکثر یہ اپنی جان خلاصی کے لیے کسی بے گناہ شخص کو بھی گرفتار کروا دیتے ہیں۔

ایسا ہی ایک شناخت پریڈ کا منظر ناول دہشت زادی میں ملتا ہے جس کو بیان کرنا از خود ناول نگار کے لیے بھی انتہائی مشکل ہے جس کا وہ اعتراف کرتی ہیں۔جب ایک نوجوان کو فوجی، اخوانی کے اشارے پر گرفتار کر کے جپسی گاڑی میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں تو اس کی ماں منت سماجت کے تمام حربے استعمال کرتی ہے۔

"ایک ماں فوجی کا جوتا پکڑ رہی ہے، فوجی نے اسی جوتے سے اس کو لات مار کر زمین پر الٹا گرا
دیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو کی جگہ خون بہہ رہا ہے، وہ اسی حالت میں واپس اٹھ کر فوجی سے
ہاتھ جوڑ جوڑ کر اپنے بیٹے کو چُھڑانے کی دوبارہ بھیک مانگ رہی ہے فوجی پر کوئی اثر نہیں ہوا بلکہ

اس نے ماں کو پیچھے دھکیل کر اس کے بیٹے کو جیپسی گاڑی میں بھر دیا، بیٹا ماں کو پکار رہا ہے، ماں فوجی کو پکڑ کر اس کے پاؤں پر سجدہ کر رہی ہے۔"(۲۰)

اسی شناختی مرحلے کا اگلا منظر اس سے بھی کربناک ہے جس میں انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزی کی نشاندہی کی گئی ہے۔

"دوسرے دو فوجیوں نے ایک نوجوان کے سارے کپڑے اتار دیے اور اس کو ننگا پریڈ کرنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ وہ شرم اور دہشت سے روئے جا رہا ہے اور ہاتھوں سے اپنے جسم کے نجی اعضا کو چھپانے کی ناکام کوشش کر رہا ہے۔ لوگ اس کو دیکھ کر اپنی آنکھیں کبھی بند اور کبھی کھول رہے ہیں۔"(۲۱)

شناخت پریڈ کے اعلان کے بعد انہیں میدان کی طرف ہانک کر لے جانے کا منظر بھی کربناک اور دلسوز ہے جسے ناول فائرنگ رینج میں بیان کیا گیا ہے۔

" سپاہی دندناتے ہوئے گھروں میں گھس گئے۔ گلیوں اور کوچوں میں بانس کے ڈنڈوں اور بندوق کے بٹوں سے مار مار کر انہیں میدان کی طرف ہانکا گیا۔ عورتیں کھڑکیوں پر بین کرتی رہیں۔ ہمکتے ہوئے بچوں نے وہ غل مچایا کہ آسمان لرزنے لگا۔ رات کی بارش سے میدان بھیگ گیا تھا۔ گڑھے پانی سے بھر گئے تھے۔۔۔ کیچڑ میں جوتوں کے ساتھ قرہ قلی ٹوپیاں کچر پچر ہو گئیں۔ پھر گیلے کپڑوں کو چھونے والے بجلی کے تاروں سے چنگاریاں اٹھنے لگیں اور درد بھری چیخوں سے فضا کا کلیجہ پھٹنے لگا۔"(۲۲)

شناخت پریڈ کے دوران نوعمر لڑکوں سے لے کر عمر رسیدہ مردوں تک کو گھنٹوں سخت گرمی میں اکڑوں بیٹھنے اور بھوکے پیاسے رکھا جاتا، اس پر اگر کوئی احتجاج کرتا یا پانی پینے کا مطالبہ کرتا تو اسے سخت ذلیل و خوار کیا جاتا، جیسا کہ ناول فائرنگ رینج میں ایک واقعہ کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

"پانی کے نل پر پہرے دار مقرر تھا۔ کچھ پیاسوں نے جب پانی پینے کے لیے منتیں کیں تو انہیں ڈنڈوں سے پیٹا گیا۔ ایک للکاتے بزرگ نے جب ایک سپاہی سے ہاتھ جوڑ کر کہا: بیٹا! بوڑھے پر ترس کھاؤ۔۔۔ پانی پینے دو، تمہارے گھر میں بھی تو کوئی بزرگ ہو گا۔۔۔ تمہیں اس کی قسم۔"

سپاہی نے یہ سن کر اپنے پتلون کی زپ نیچے اتار دی۔ یہ دیکھ کر پیاسے بزرگ نے گردن جھکائی۔ سپاہی نے اپنی بندوق کی نال کا سرا بزرگ کی ٹھوڑی میں گاڑ کے اس کا سر اوپر اٹھایا اور بولا:

بہت پیاس لگی ہے بابا؟ پانی پیو گے؟ نکال دوں؟

بزرگ نے اپنے داہنے ہاتھ سے بندوق کی نال پرے کر دی اور سر سے ٹوپی اتار کے منہ کا پسینہ پونچھ لیا۔"(۲۳)

لیکن ایک بوڑھے کی التجا بھی طاقت کے نشے میں دھن سپاہی کے دل میں رحم نہ ڈال سکی۔

پکڑ دھکڑ اور قتل و غارت گری کے مناظر

ناول دہشت زادی میں مولوی صاحب کے داماد کو جب حراست میں لینے کے لیے فوجی مصروف عمل ہیں تو یہ منظر بھی ناول نگار نے باریک بیں مشاہدے کے بعد تحریر کیا ہے۔ اس منظر میں بھارتی سکیورٹی فورسز کے جبری ہتھکنڈوں کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ فوجی جوں ہی اسے گھسیٹ کر لے جانے لگتے ہیں تو مولوی صاحب اور ان کی بیٹی فریدہ اپنے شوہر کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مولوی صاحب زمین پر بیٹھ کر فوجیوں سے اس کی رہائی کا مطالبہ کرتے ہیں جس پر وہ اسے فٹ بال کی طرح زمین پر لٹا دیتے ہیں۔ فریدہ آگے بڑھ کر ایک فوجی سے بندوق چھین لیتی ہے اور گولی چلانے کی دھمکی دیتی ہے۔ فوجی حکمت عملی سے اسے قابو کرنے اور بندوق چھیننے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اگلے ہی لمحے منظر پھر بدلتا ہے؛

"اور وہ واپس فوجی کے پاس جا کر اس کے چہرے پر ایسا زور دار تھپڑ رسید کرتی ہے کہ اس کی بندوق آسمان میں اڑتے اڑتے ایک اور فوجی کے سامنے گرتی ہے، گاڑی میں بیٹھا سپاہی پہلے ہوا

میں گولی چلاتا ہے پھر فریدہ کے شوہر پر سیدھا وار کرتا ہے جو خزاں رسیدہ پتے کی طرح نیچے گرتا ہے، اس کے سر سے خون کی ندی بہنے لگتی ہے اور سرسبز گھاس سے مل کر کوئی اور ہی رنگ بناتی ہے، مولوی بے ہوش ہو کر زمین پر گرتا ہے کوئی اس کو اٹھانے کے لیے نہیں آتا نہ کوئی پانی پلانے والا موجود ہے، ایک اور کربلا ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔"(۲۴)

قتل و غارت گری کا ایک منظر فائرنگ رینج میں بھی ملتا ہے جب ایک احتجاجی مظاہرے کے دوران سکیورٹی فورسز کی جانب سے فائرنگ کی جاتی ہے۔ اچانک فائرنگ سے لوگوں میں افراتفری پھیل گئی جس سے بھگدڑ مچی اور کئی لاشیں گر گئیں۔ ناول نگار نے اس منظر کی ہولناکی کو بھی باریک بینی کے بعد تحریر کیا ہے۔ ناول کے ایک ضمنی کردار حاجی عبدالجبار خان بھی اس احتجاجی مظاہرے میں اپنے پوتے اصغر خان کے ہمراہ شریک تھے جنہیں پوتے سمیت بے دردی سے مار دیا گیا۔

"ایک گلی میں حاجی عبدالجبار خان کی نظر اپنے پوتے پر پڑی۔ اصغر زمین پر اوندھے منہ پڑا تھا۔ دادا نے اسے چت لٹا دیا تو ان کے منہ سے دردناک چیخ نکلی۔ اصغر خان کا پیٹ پھٹ گیا تھا اور اس کی آنتیں باہر آ گئی تھیں۔ حاجی خان نے پوتے کی اوجڑی واپس ٹھونس کر اپنے واسکٹ سے پیٹ کے چاک کو ڈھانک دیا۔۔۔ اولاد کی محبت نے اس قدر مجبور کر دیا کہ اپنی راجپوتانہ آن انا بھول گئے اور ایک سپاہی کے پاؤں پکڑ کر گڑگڑانے لگے۔"(۲۵)

فوجیوں کو بوڑھے جبار خان پر اس گڑگڑاہٹ کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ اسے لات مار کر زمین پر گرا دیا، اس کی لمبی سفید داڑھی کو مسلنا شروع کر دیا اور ایک دوسرے سپاہی کے اکسانے پر اس کے سینے پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ اس کے علاوہ بھی کئی کربناک مناظر ناولوں میں ملتے ہیں۔

حراستی مراکز کے مناظر

ناول فائرنگ رینج: کشمیر 1990ء کے ایک کردار منظور احمد کو جب حراستی مرکز منتقل کیا گیا تو اس نے وہاں جو مناظر دیکھے اسے ہیومن رائٹ کمیشن کے نمائندے کے سامنے بیان کیا، جو کچھ اس طرح کے ہیں۔

"پہلے بار جب مجھے انٹروگیشن روم میں لیا گیا تو خوف کھانے اور عبرت حاصل کرنے کے لیے میری آنکھوں سے پٹی ہٹائی گئی۔۔۔ کمرے میں ہولناک اور دہشت انگیز اوزار دیکھ کر میری روح کانپ اٹھی۔ رسیاں، لاٹھیاں، زنگ آلودہ کیلیں، چاقو، بغدے، پٹے، پلاس، بجلی کے تار، نمک اور مرچ کی ڈھیریاں۔ اور بھی نہ جانے کیا کیا سامان وحشت کا۔ تیز روشنی کا ایک بلب میری آنکھوں کے سامنے لا کر ٹکا دیا گیا۔"(۲۶)

کراس فائر

سکیورٹی فورسز عسکریت پسندوں کی تلاش میں کسی بھی جگہ اور بغیر کسی پیشگی اطلاع کے فائرنگ کر سکتے ہیں۔ ایسا ہی ایک واقعہ لل دید ہسپتال میں پیش آیا جب دہشت زادی کی مصنفہ بھی بچے کی پیدائش کے سلسلے میں وہاں لیبر روم میں داخل تھی۔ فوجی پہلے باقی وارڈوں اور کمروں کی تلاشی لیتے لیبر روم میں بھی آئے جہاں خواتین بے پردہ اور اپنے حال میں پریشان لیٹی ہیں۔ ان کے ساتھ ڈاکٹر بھی موجود ہیں۔ فوجی اہلکار نرسوں، ڈاکٹروں اور صفائی کے عملے سے چیخ چیخ کر عسکریت پسندوں کی موجودگی بارے سوالات پوچھتے ہیں۔ مشینوں، الماریوں، واش روموں میں انہیں تلاش کرتے ہیں۔ فوجی جوں ہی باقی کمروں کی تلاشی لینے کے بعد او پی ڈی کی طرف جاتے ہیں تو وہاں ان پر رجسٹرار کے کمرے کی طرف سے فائرنگ کی جاتی ہے جہاں عسکریت پسند چھپے بیٹھے ہیں۔ فائرنگ سے کئی فوجی ہلاک ہو جاتے ہیں جب کہ گاڑی میں بیٹھے فوجی اپنے آپ کو سنبھال کر فوراً اسی طرف فائرنگ شروع کرتے ہیں، جس کا نقشہ ناول نگار نے یوں کھینچا ہے؛

"گیٹ کے سامنے والے بنکر سے فوجیوں نے مشین گن سے اندھا دھند گولیوں کی بوچھاڑ کر دی جو او پی ڈی کے سامنے مریضوں اور تیمار داروں کو لگ رہی ہیں، سارا ماحول لرز گیا ہے۔ کراس فائرنگ کی زد میں مریض ہیں یا ان کے تیمار دار جو گر گر کر تڑپ رہے ہیں، مدد کے لیے ہاتھ ہلا رہے ہیں، درجنوں خون میں لت پت ہیں۔ ذرا دیر بعد رجسٹرار کے دفتر سے فائرنگ بند ہو گئی مگر فوجی اب بھی گولیاں چلا رہے ہیں۔"(۲۷)

شامل تحقیق دونوں ناولوں کے مصنفین کا تعلق کشمیر سے ہے اور دونوں نے ریاستی جبر کے دور میں ان جبری ہتھکنڈوں اور سخت ترین حالات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے۔ ناولوں میں پیش کردہ واقعات کو جس طرح بیان کیا

گیا ہے اس سے وہاں کے ماحول کی عکاسی بہترین انداز میں نظر آتی ہے۔ خواہ کراس فائرنگ کا واقعہ ہو، شناخت پریڈ ہو، کریک ڈاؤن میں پکڑ دھکڑ اور قتل و غارت گری ہو یا حراستی مراکز میں تشدد کے واقعات ہوں ناول نگاروں نے ان کو اس انداز میں بیان کیا ہے کہ سارا منظر قاری کے سامنے آجاتا ہے۔ منظر نگاری میں کہیں کہیں ذاتی جذبات کا اظہار بھی ملتا ہے اور یہ تبھی ممکن ہے جب ناول نگاروں نے اپنی آنکھوں سے یہ مناظر دیکھ رکھے ہوں۔ منظر نگاری میں واقعات کے تسلسل اور کرداروں کے درمیان مکالموں سے بھی صورت حال کی عکاسی ملتی ہے۔ ناولوں میں جن مناظر کو پیش کیا گیا ہے وہاں کرداروں کے مکالمے بھی منظر کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ مجموعی طور پر وہاں کی ساری صورت حال منظر نگاری کی وجہ سے قاری کے ذہن پر نقش ہو جاتی ہے۔

ج۔ کردار

کردار(Character)کا لفظ یونانی اسم فعل (Kharakter) بمعنی کندہ کرنا، نقش کرنا سے مشتق ہے جس سے مراد افراد کے مابین وہ امتیازی تشخص جو طبیعت و عادت نیز کسی نہ کسی حرکت، عمل اور برتاؤ کی تفریق کی بنیاد پر واقع ہو۔(۲۸) اردو میں یہ لفظ فارسی سے آیا ہے۔ فرہنگ آصفیہ میں اس لفظ کے کئی معانی درج ہیں، جن میں طرز، روش، طور، شغل، کام، عمل، برا بھلا کام کرنا، عادت، رویہ وغیرہ شامل ہیں۔(۲۹) لفظ کردار کو عام طور پر صفت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور یہ صفت اچھی بھی ہو سکتی ہے اور بری بھی۔ اس میں کسی کی خوبی بھی بیان کی جا سکتی ہے اور برائی بھی۔ لیکن ادب میں کردار کا لفظ اسم صفت نہیں بلکہ اسم فاعل کے طور پر طور پر سامنے آتا ہے۔ ڈاکٹر عمر فاروق کے مطابق؛

> "افسانوی یا غیر افسانوی نثر یا طویل بیانیہ نظم کے وہ افراد جن پر واقعات کا نزول ہوتا ہے یا جن سے واقعات سرزد ہوتے ہیں، ادبی اور تنقیدی اصطلاح میں کردار کہلاتے ہیں۔"(۳۰)

کسی بھی کہانی میں خواہ وہ طویل ہو یا مختصر کرداروں کی موجودگی لازمی ہوتی ہے۔ نثری ادب مثلاً ڈراما، ناول اور افسانہ میں کہانی کی بنت اور پھیلاؤ کا دارومدار کرداروں کی حرکات و سکنات پر ہی ہوتا ہے۔ واقعات کے تسلسل اور کہانی

کو ارتقائی منازل طے کروا کر اختتام تک پہنچانے میں کرداروں کی ضرورت اور اہمیت تخلیق کار کے لیے انتہائی اہم ہوتی ہے۔ڈاکٹر مجید بیدار کردار کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛

> "زندگی کی رونقوں سے استفادہ کرتے ہوئے تحریک، عمل اور وجود کو ظاہر کرنے والی ہر ذی روح کردار کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ در حقیقت کردار وہ متحرک اور فعال وجود ہوتا ہے جو حالات اور مسائل کے آگے جد وجہد جاری رکھتے ہوئے اپنے عمل اور کارکردگی سے انمٹ نقوش چھوڑ جاتا ہے۔"(۳۱)

ناول انسانی زندگی کے حالات وواقعات کی ترجمانی کرتا ہے اور کسی بھی معاشرے کے مسائل، رویوں، رسوم و رواج، عادات واطوار اور دیگر پہلوؤں کی عکاسی کرتا ہے۔ ناول کے اجزائے ترکیبی میں جہاں قصے، پلاٹ اور منظر نگاری کا ہونا لازمی ہے وہیں کرداروں کے بغیر بھی ناول کا وجود ناممکن ہوتا ہے۔ڈاکٹر سفینہ بیگم ناول میں کرداروں کی ضرورت بارے لکھتی ہیں؛"ناول میں کردار اور کردار نگاری کی اہمیت اتنی ہی زیادہ ہے جتنی شاعری میں رمزیت وایمائیت اور تشبیہ واستعارے کی۔"(۳۲)

کسی بھی کہانی میں کرداروں کی موجودگی اس کو ارتقائی مراحل طے کروا کر اختتام کی طرف لاتی ہے۔ جس طرح ناول حقیقی زندگی کا ترجمان ہوتا ہے ایسے ہی کردار بھی حقیقت کے قریب تر ہوتے ہیں۔ جہاں تک کرداروں کی اقسام کا تعلق ہے تو وہ ناول کے قصے کے مطابق ہی ناول نگار تخلیق کرتا ہے۔ عام طور پر ناولوں کے کرداروں کو ان کی عادات واطوار اور ذہنی سطح کی بنیاد پر دو اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے جن میں سادہ کردار اور پیچیدہ کردار شامل ہیں۔

سادہ کردار

یہ کردار کہانی کی ابتداء میں جس انداز میں سامنے آتے ہیں آخر تک اسی انداز میں اپنی موجودگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ان کی عادات واطوار کا ماحول اور حالات وواقعات کے تغیر و تبدل میں بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ڈاکٹر سفینہ بیگم کے مطابق "ان میں موجود صفات جیسے خودداری، انا، ضد، ہٹ دھرمی، اصلاحی رجحان / اصلاح پسندی وغیرہ میں

کسی قسم کی کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوتی۔"(۳۳) منتخب ناولوں میں کچھ کردار ایسے ہیں جنہیں سادہ کرداروں کے ذیل میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

پیچیدہ کردار

یہ کردار وقت اور حالات کے مطابق تبدیل ہونے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ان کی زندگی میں پیش آنے والے حادثات ان کرداروں میں تبدیلی کا باعث بنتے ہیں۔منتخب ناولوں میں کچھ کردار انہی خصوصیات کے حامل ہیں۔

مصنفہ (نعیمہ احمد مہجور)

ناول دہشت زادی ایک نیم سوانحی ناول ہے، اس میں مصنفہ (نعیمہ احمد مہجور) نے بیانیہ انداز اپناتے ہوئے خود جن حالات اور واقعات کا مشاہدہ کیا ہے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ناول میں پیش کردہ تمام واقعات کی راوی مصنفہ خود ہے اور اس نے اپنے آپ کو بھی ایک کردار کے طور پر ناول میں شامل کیا ہے۔وقت کے ساتھ ساتھ اس کے رویے میں بھی تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔پہلے پہل وہ معمولی ہنگاموں سے بھی خوفزدہ ہو جاتی تھی مگر بعد میں بدامنی اور بے یقینی کی صورت حال روزمرہ کا حصہ بن گئی تو اس نے ان حالات کو جیسے تیسے قبول کر لیا۔اس نے حالات سے سمجھوتا کرنا اس وقت سیکھ لیا جب اس کے گھر میں کئی اجنبی اور غیر مانوس افراد نے اس کے شوہر کی ایماء پر ڈیرے ڈال دیے۔بچے کی پیدائش کے بعد اس کے اندر ایک بار تبدیلی آئی اور جو لاپروائی اور بیزاری کی طبیعت تھی اس میں مثبت اور صحت مندانہ زندگی کے آثار پیدا ہوئے۔مصنفہ کے کردار کو پیچیدہ کردار کہا جاسکتا ہے۔

بابا (مصنفہ کے والد)

بابا کا اصلی نام ناول میں کہیں بھی نہیں لکھا گیا مگر بابا کے نام سے ہی ان کا تذکرہ موجود ہے۔بابا ناول کے سب سے عمر رسیدہ کردار ہیں جنہوں نے اپنی زندگی میں کشمیر کا تمام سیاہ و سفید دور دیکھا ہے۔آپ جوانی سے ہی شیخ عبداللہ (بھارت نواز کشمیری رہنما) کے دلدادہ تھے۔آپ کشمیر کی تاریخی اور سیاسی حیثیت بارے اکثر بحث و مباحثہ کرتے رہتے تھے، جس میں شیخ عبداللہ کی حمایت اور بھارت کی غلط پالیسیوں کا تذکرہ شامل ہوتا۔سادہ کردار کی بہترین مثال بابا کو قرار دیا جاسکتا ہے۔

مولوی صاحب

ناول دہشت زادی کا کردار مولوی صاحب کو پیچیدہ کرداروں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ مولوی صاحب اپنی متوازن طبیعت، کم گوئی، ہمدردی، صبر اور اخلاص کی وجہ سے جانے جاتے تھے۔ ان کی ان عادات کا اہل محلہ معترف تھے۔ انہیں کبھی کسی نے مایوسی کی حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ مگر جب کشمیر میں ریاستی جبر کی کارروائیوں میں اضافہ ہوا اور ان کا خاندان بھی اس کی لپیٹ میں آیا تو ان کے اندر مایوسی اور اضطرابی کیفیت بڑھتی چلی گئی۔ مولوی صاحب نے جب اپنی اکلوتی بیٹی فریدہ کی شادی کروائی اور بارات کی رخصتی کے بعد کرفیو کی وجہ سے دو ہفتے تک بیٹی، داماد اور دیگر رشتہ دار واپس نہ آسکے تو ان کے اندر شدید مایوسی اور گھبراہٹ پھیل گئی جس کا اظہار انہوں نے ان الفاظ میں کیا۔

> "ہماری حالت کتوں جیسی ہو گئی ہے، اپنی گلی، اپنے گھر، اپنی زندگی پر کنٹرول نہیں رہا ہے، ہم سب کو بمباری سے ایک ہی بار ختم کیوں نہیں کرتے۔"(۳۴)

اسی طرح مولوی صاحب کے داماد کو کریک ڈاؤن کے دوران جب فوجی گرفتار کرنے لگتے ہیں تو وہ اپنی سماجی حیثیت کو قطعی طور پر نظر انداز کر کے پاگلوں کی طرح رد عمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے فوجیوں کے سامنے زمین پر بیٹھ کر ان کی منتیں کرتے ہیں اور سپاہیوں کو باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ میرا داماد بالکل بے قصور ہے۔ مولوی صاحب کے مزاج میں ہونے والی تبدیلیاں اور حالات کے مطابق طبیعت میں آنے والا بدلاؤ انہیں پیچیدہ کردار شمار کرنے کی دلالت دے رہا ہے۔

فریدہ

مولوی صاحب کی اکلوتی بیٹی فریدہ بھی ناول دہشت زادی کا ایک کردار ہے جس نے گھر کی چوکھٹ سے باہر کبھی قدم نہیں رکھا تھا مگر شادی کے کچھ ہی دن بعد جب اس کے شوہر کو فوجی گرفتار کرنے کی کوشش کر رہے تھے تو اس نے اپنی جان پر کھیل کر اسے بچانے کی ناکام کوشش کی۔ اس دوران وہ چیخ چیخ کر اپنے شوہر کی بے گناہی کا یقین دلاتی رہی اور جب فوجی اس کے شوہر کو گھسیٹ کر گاڑی میں ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا تو اس نے دوڑ کر اس پر حملہ کیا اور اس کی بندوق چھین کر اس کا رخ فوجی کی طرف کر دیا اور انتہائی غصیلی آواز میں کہا کہ "میرے شوہر کو چھوڑ دو ورنہ گولی چلا کر

سینہ چیر کر رکھ دوں گی۔"(۳۵) بعد ازاں جب فوجیوں نے بندوق چھین لی تو وہ دوبارہ مزاحمت کرنے لگی اور ایک فوجی کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔ فریدہ کی طبیعت میں بھی وقت اور حالات کے مطابق تبدیلی آتی ہے جو پیچیدہ کرداروں کی پہچان ہے۔

آنٹی جی

دہشت زادی میں آنٹی جی کا کردار بھی پیچیدہ کرداروں کی ذیل میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ آنٹی جی ایک ہنس مکھ، خوش مزاج اور زندہ دل خاتون تھی جسے ہنگامی حالت میں بھی پرسکون اور باوقار رہنے کی عادت تھی۔ مگر جب محلے میں شناخت پریڈ کے دوران ان کے نو عمر بیٹے کو حراست میں لیا گیا تو اس نے جھپٹ کر اسے آزاد کرایا مگر اگلے ہی لمحے اسے جپسی گاڑی میں بٹھا کر لے گئے۔ اگلی صبح جب مسجد کے احاطے سے چار مسخ شدہ لاشیں ملیں تو ان میں آنٹی جی کے بیٹے کی بھی لاش شامل تھی۔ آنٹی جی نے اس وقت تو صبر اور حوصلے سے کام لیا مگر اس کے بعد گوشہ نشینی اختیار کر لی اور محلے کی کسی غمی، خوشی میں شریک نہیں ہوئی۔ اپنے بیٹے کی اندوہناک موت کے بعد گوشہ نشینی اختیار کرنا اور اپنے آپ کو گھر کی چار دیواری تک محدود کر لینا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ایک پیچیدہ کردار ہے۔

اسد

اسد کا کردار اس حوالے سے اہم ہے کہ وہ ناول دہشت زادی کی مصنفہ کا شوہر ہے۔ جب کشمیر میں حالات خراب ہوئے اور تحریک آزادی کی مسلح جدوجہد کا آغاز ہوا تو اسد نے پرجوش نظر آنے لگا۔ آزادی کا نام سن کر وہ شدید جذباتی ہو جاتا اور ایک موقع پر وہ اس قدر آگے نکل گیا کہ گھر میں عسکریت پسندوں کو پناہ دینے جیسا انتہائی قدم اٹھایا۔ اس پر جب اس کی بیوی نے اسے روکنے کی کوشش کی تو اسے بھی ڈانٹ دیا اور زبردستی ان کے لیے کھانا پکانے پر مجبور کیا۔ مجموعی طور پر ایک لاپرواہ اور لاابالی طبیعت کا حامل کردار تھا جسے دوسروں بالخصوص اپنی بیوی کو زچ کرنے پر خوشی محسوس ہوتی تھی۔ وہ وقت کے ساتھ خود کو ڈھالنے کا عادی تھا۔ لیکن جب اس کی بیوی کے ہاں بیٹے کی پیدائش ہوئی تو اسے واپس گھر لانے پر راضی ہو گیا۔ اس کی طبیعت میں بھی بدلاؤ کا عنصر نمایاں ہے جسے پیچیدہ کردار کہا جا سکتا ہے۔

سعدیہ

سعدیہ دہشت زادی کی مصنفہ نعیمہ احمد مہجور کی بڑی بہن ہے۔ ایک متوازن طبیعت کی حامل عورت میں اس وقت شدید ذہنی اور جذباتی تبدیلیاں رونما ہونا شروع ہوئیں جب اس کے اکلوتے بیٹے کی گمشدگی اور سرحد پار جانے کی خبریں آئیں۔ سعدیہ نے اپنے بیٹے کی تلاش میں کشمیر کا کونا کونا چھان مارا۔ اس پر رفتہ رفتہ مجنونانہ کیفیت طاری ہونا شروع ہو گئی اور وہ بیٹے کی جدائی میں ہر وقت آنسو بہاتی رہتی۔ اس دوران گاؤں کے لوگ اس سے مختلف بیماریوں کے لیے دم کروانے بھی آتے رہے اور اس سے صحت یاب بھی ہوتے رہے۔ اس کی ریاضت اور دعاؤں سے بالآخر ایک دن اس کا بیٹا صحیح سلامت اس کے سامنے آ گیا جس کے ملنے کی باقی خاندان نے امیدیں ختم کر دی تھیں۔ امید، حوصلے اور دعا پر یقین رکھنے والی خاتون نے وقت کے ساتھ ساتھ اپنی عادات و اطوار میں کئی تبدیلیاں لائیں اس لیے یہ کردار بھی پیچیدہ کرداروں کی ذیل میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

خواجہ احمد قدوس

خواجہ احمد قدوس ناول فائر نگ رینج کا ایک مرکزی کردار ہے جو شروع سے آخر تک کسی نہ کسی صورت میں اپنی موجودگی ظاہر کرتا ہے۔ ناول کے شروع میں اس کا رویہ معتدل اور متوازن ہوتا ہے۔ بھاری دل کے ساتھ اپنے پڑوسی پنڈت خاندان کو رخصت کرتا ہے۔ ناول کے آخری حصے میں کریک ڈاؤن کے دوران اسے بھی حراست میں لے کر حراستی مرکز منتقل کیا جاتا ہے اور شدید جسمانی اور نفسیاتی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اس کا بیٹا بڑی تگ و دو کے بعد اس کی رہائی میں کامیاب ہو جاتا ہے مگر گھر آ کر اپنی حالت پر اس قدر رنجیدہ ہوتا ہے کہ راتوں کو بھی خواب میں ان کے تشدد بارے سوچ کر آنکھ کھل جاتی ہے۔ پشیمانی، بے یقینی اور مایوسی نے اسے شدید ذہنی خلفشار میں مبتلا کر دیا۔ حالات کے ہاتھوں بے بس ہونے کی وجہ سے اس کے مزاج میں بھی کئی تبدیلیاں آئیں جس کی وجہ سے اسے ایک پیچیدہ کردار کہا جا سکتا ہے۔

منظور احمد

منظور احمد ناول فائرنگ رینج کا ایک پڑھا لکھا نوجوان کردار ہے جسے پنڈت خاندان کو ٹنل پار تک باحفاظت چھوڑ

کر آنے کے جرم میں رات گئے فوجیوں نے گرفتار کر کے حراستی مرکز میں پہنچا دیا۔ جہاں اسے شدید جسمانی تشدد اور نفسیاتی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ اسے ہیومن رائٹ کمیشن کے نمائندے کے سامنے جب پیش کیا گیا تو اس نے حراستی مرکز میں ہونے والے تشدد کی ساری تفصیلات بیان کر دیں۔ وہاں فوجی اہلکاروں کو ترکی بہ ترکی جواب دیتا اور بھارت کی ظالمانہ پالیسیوں پر شدید تنقید کرتا۔ کچھ عرصہ بعد اسے شدید زخمی حالت میں ایک بیابان جگہ پر چھوڑ دیا گیا جہاں سے مقامی لوگوں نے ہسپتال منتقل کیا۔ علاج معالجہ کے بعد اس نے بھی عسکریت پسندوں میں شامل ہو کر آزادی کی مسلح جدوجہد میں حصہ لیا۔ مجموعی طور پر ایک متحرک کردار ہے جس کی ناول میں موجودگی واقعات کے تسلسل اور کہانی کے ارتقاء میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔

نور الدین شاہ

فائرنگ رینج کا ایک متحرک کردار نور الدین شاہ ہے جو ناول میں بیان کردہ ہر واقعے سے کسی نہ کسی صورت میں منسلک رہتا ہے۔ اپنے پڑوسی پنڈت خاندان کی ہجرت پر نہ صرف رنجیدہ ہے بلکہ اسے اپنے بیٹے رمضان کی ٹیکسی میں ٹنل پار تک چھوڑنے کا بندوبست کرتا ہے۔ اپنے بیٹے کی گمشدگی اور دوران حراست شدید تشدد کا نشانہ بننے کے بعد اس کی زخمی حالت میں بازیابی پر بھی صبر و تحمل سے کام لینے کی کوشش کرتا ہے۔ محلے کا ایک بااثر آدمی ہے جسے اکثر تھانے کے چکر لگانے پڑتے ہیں تاکہ کریک ڈاؤن اور شناخت پریڈ کے دوران حراست میں لیے گئے بے گناہ نوجوانوں کو رہا کروایا جا سکے۔ ناول میں شروع سے آخر تک اس کے مزاج میں خاطر خواہ کوئی تبدیلی نہیں آتی جس کی وجہ سے اسے سادہ کردار کہا جا سکتا ہے۔

رمضان

رمضان (حجام) بھی فائرنگ رینج کا ایسا کردار ہے جو پورے ناول پر اپنی مضحکہ خیز اور باتونی طبیعت کے باعث چھایا رہتا ہے۔ اس کردار کو ابھارنے میں ناول نگار نے خاصا کام کیا ہے اور اس کے پیشے کو اس کی روزمرہ زندگی سے جوڑ کر اور حالات سے مطابقت پیدا کر کے اسے دلچسپ بنا دیا ہے۔ کہانی کو آگے بڑھانے اور واقعات کے تسلسل میں اس کا کردار اہمیت کا حامل ہے۔ معنی خیز اور طویل مکالموں کی وجہ سے ساری صورت حال کو دلچسپ انداز میں بیان کرتا

ہے۔اس کے مزاج میں اچانک اس وقت تبدیلی آئی جب محلے کے ایک بااثر شخص حاجی صاحب نے اس کے بیٹے (الطاف) کو سرحد پار پہنچنے کی خوشخبری سنائی۔ اس وقت اس نے حاجی صاحب کو کھری کھری سنا دیں کہ آپ اپنے بیٹوں کو بھی سرحد پار بھیجیں، ہم غریبوں کے بیٹوں کو نہ بھیجیں۔ اس کے مزاج میں آنے والی یہ اچانک تبدیلی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ایک پیچیدہ کردار ہے۔

دیگر ذیلی کردار

دونوں ناولوں میں یوں تو کرداروں کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے جو واقعات کے تسلسل اور بیان میں معاونت کرتے نظر آتے ہیں مگر ان میں بیشتر کردار محض مختصر دورانیے کے لیے یا صرف واقعات کی روانی کے لیے ہی سامنے آتے ہیں۔ مثلاً دہشت زادی میں نینا، شائستہ، فائزہ، اخوانی، عزیز اور پاشا کا کردار ہے۔ علاوہ ازیں محمود، رشی جی اور منا وغیرہ کے کردار محض واقعات کی تفصیلات کے لیے سامنے آتے ہیں۔ اسی طرح ناول فائرنگ رینج میں کئی کردار ایسے ہیں جو صرف مرکزی کرداروں کے ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں اور ان کے ساتھ ہونے والے مکالموں میں ناول کے ماحول کو بیان کرنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ ان میں زینت بیگم (خواجہ احمد قدوس کی بیوی)، نائیلہ (خواجہ کی بیٹی)، محمود (خواجہ کا بیٹا) مقبول خان (خواجہ کا چوکیدار)، حبیب اللہ (نوکر)، حاجی عبدالجبار خان اور اس کا پوتا اصغر خان جنہیں احتجاجی مظاہرے کے دوران فوجیوں کی فائرنگ سے قتل ہو جاتے ہیں، ماسٹر ترلوک ناتھ پنڈت خاندان کا سربراہ جو ہجرت پر مجبور ہو جاتا ہے، ببلی (ترلوک ناتھ کی بہو)، سنیل (ترلوک ناتھ کا بیٹا)، الطاف احمد (رمضان نائی کا بیٹا، حاجی صاحب، قادر کانچی، عبدالصمد بٹ، نریش کمار چیٹر جی (ہیومن رائٹ کمیشن کا نمائندہ)، سردار کرتار سنگھ، شمع (نور الدین شاہ کی بیٹی) اور تھانیدار وغیرہ شامل ہیں۔

مجموعی طور پر کرداروں کا جائزہ لیا جائے تو ناول دہشت زادی میں شامل کردار ناول نگار کے بیان کردہ ماحول میں ہی سامنے آتے ہیں۔ مصنفہ چوں کہ خود ایک کردار ہے اور پورے ناول میں پیش کردہ حالات وواقعات کو اپنے ذاتی مشاہدے کے بعد تحریر کیا ہے اس لیے اس کے کرداروں میں بھی اسی کی چھاپ نظر آتی ہے۔ تاہم جب کہیں مکالمے سامنے آتے ہیں تو ایسا لگتا ہے ان کرداروں کی اپنی الگ شناخت اور زندگی بھی موجود ہے۔ اس کے برعکس فائرنگ رینج

کے کردار ماحول سے زیادہ مطابقت رکھتے ہیں اور اپنی پوری آب و تاب سے منظر عام پر آتے ہیں۔ ان کے مکالمے ان کے اپنے بیان کردہ نظر آتے ہیں اور ان میں ان کی سماجی حیثیت، عمر اور رتبے کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ فائرنگ رینج میں کرداروں کی مجموعی تعداد دہشت زادی کی نسبت زیادہ ہے اور ان میں ہر کردار اپنی ایک علیحدہ نفسیات اور ذہنی سطح رکھتا ہے۔

د۔ بیانیہ

ناول جس ماحول میں لکھا جاتا ہے وہاں کی مجموعی سیاسی، سماجی، مذہبی، معاشی، تہذیبی، ثقافتی اور معاشرتی اقدار کی ترجمانی کرتا ہے۔ ناول میں پیش کردہ حالات و واقعات اس مخصوص خطے کے پورے سماجی پس منظر اور لوگوں کے رہن سہن کا آئینہ دار ہوتے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ جہاں ناول کی ہیئت، تکنیک اور موضوعات میں تبدیلیاں آتی جا رہی ہیں وہیں اس کے اغراض و مقاصد بھی پہلے سے تبدیل ہو گئے ہیں۔ اب ناول محض قاری کے لیے تفریح طبع کا سامان پیدا نہیں کر رہے بلکہ ان سے کسی نقطہ نظر کی حمایت یا مخالفت، کسی مذہبی، سیاسی یا معاشرتی صورت حال کی مخالفت یا حمایت اور نئی جہات پیدا کرنے کا سبب بھی بن رہے ہیں جسے آج کل بیانیہ کی تشکیل کا نام دیا جاتا ہے۔ بیانیہ کی تشکیل کے لیے جہاں آج کل جدید ذرائع ابلاغ جن میں پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا کے ساتھ ساتھ سوشل میڈیا بھی پورا پورا کردار ادا کر رہا ہے وہیں ادب اور بالخصوص ناول بھی اس معاملے میں پیش پیش ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ معاصر ناولوں میں کسی نہ کسی بیانیہ کی ترجمانی نظر آتی ہے۔ بیانیہ کے لیے انگریزی میں (Narrative) کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ کچھ نقاد بیانیہ اور کہانی کو مترادف سمجھتے ہیں البتہ امان اللہ محسن کہانی اور بیانیہ میں فرق واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "کہانی واقعات کے ایک ایسے مجموعے کا نام ہے جس میں آغاز، وسط اور انجام ہو جبکہ بیانیہ واقعہ کے بیان کا اصطلاحی نام ہے، یعنی واقعات کے سلسلے کا لسانی بیان بیانیہ کہلاتا ہے۔" (۳۶)

فکشن میں بیانیہ کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے قاسم یعقوب لکھتے ہیں؛

> "کہانی میں کہانی پن بیانیے کی وجہ سے معرض وجود میں آتا ہے۔ بیانیے میں ایک ہی کہانی کا بیان لازمی نہیں۔ زندگی کسی ایک کہانی سے تشکیل نہیں پاتی، بلکہ ایک ہی وقت میں لاتعداد

کہانیاں زندگی کی تشریح کر رہی ہوتی ہیں۔ اس لیے بیانیہ کئی کہانیوں کو بیک وقت بیان کر سکتا ہے۔ ہر کہانی کا بیانیہ ایک ہی وقت میں مختلف انداز سے بیان ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ایک ہی ناول میں کئی بیانیوں کا وقوع پذیر ہونا ممکن ہے۔"(۳۷)

جہاں تک زیر تحقیق ناولوں میں پیش کردہ بیانیہ کی بات کی جائے تو اس سلسلے میں جو بیانیے ناولوں کے موضوعات سے اخذ کیے جاسکتے ہیں، ان کی چار طرح کی مثالیں موجود ہیں ا۔ہندوستان مخالف بیانیہ، ۲۔مذہبی ہم آہنگی کا بیانیہ، ۳۔کشمیری بیانیہ، ۴۔ہندوستانی بیانیہ

ا۔ہندوستان مخالف بیانیہ

منتخب ناولوں میں بھارت مخالف بیانیہ سب سے زیادہ موجود ہے۔ بھارت کے غیر قانونی قبضے اور پھر ریاستی جبر کی روز بروز بڑھتی کارروائیوں کی وجہ سے اس بیانیہ کے حمایتی لوگوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اس کی ایک جھلک ناول دہشت زادی میں ملتی ہے جہاں مصنفہ خود کلامی کے انداز میں آزادی کے متعلق سوچتی ہے اور بچپن سے اس کے ذہن میں پلتی بھارت سے نفرت کا اظہار کرتی ہے۔

" ہم یہ خواب لے کر پیدا ہوئی ہیں کہ ایک دن اپنا وطن ہو گا، جس کو ہندوستان نے سیاسی سازشوں سے ہم سے چھین لیا ہے، بابا نے ہمیں یہی پڑھایا ہے۔ ہم سب ہندوستان سے نفرت کرتی ہیں اگر میں یہ کہوں کہ یہ نفرت ماں کے دودھ کے ساتھ ہمیں پلائی گئی ہے تو مبالغہ نہ ہو گا۔ یہ نفرت کم نہیں بلکہ ہر روز بڑھتی جارہی ہے۔"(۳۸)

ناول دہشت زادی میں ہی بھارت مخالف بیانیہ کی ایک اور جھلک اس وقت نظر آتی ہے جب مصنفہ بس کے انتظار میں سٹاپ پر کھڑی ہوتی ہے۔ آس پاس افراتفری پھیلی ہوتی ہے۔ وہ چپکے سے اپنے پاس کھڑے ایک نوجوان سے لوگوں کے ہجوم کے بارے میں استفسار کرتی ہے تو وہ خوشی خوشی اسے بتاتا ہے کہ؛

" میری بہن! آزادی کی جنگ شروع ہو گئی ہے، بھارت کے خلاف جنگ کا اعلان ہو چکا ہے "مصنفہ جب یہ بات سن کر حیرانی کا اظہار کرتی ہے تو نوجوان پھر گویا ہوتا ہے کہ ".جی ہاں!

آزادی کا سورج انشااللہ جلد طلوع ہو گا۔ کب تک بھارتی حکمران ہمیں مظلوم بناتے رہیں گے۔"(۳۹)

بھارت سے نفرت کا بیانیہ جہاں باشعور جوانوں، مردوں اور عورتوں میں مقبول ہوتا جا رہا تھا وہیں کشمیر کے بچوں میں بھی اس بیانیہ کی عکاسی نظر آتی ہے۔ دہشت زادی میں بیان کردہ ایک منظر میں بچے فوجی گاڑیوں کو دیکھ کر ان کے ارد گرد جمع ہو کر بھارت کے خلاف نعرے بازی کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ فوجیوں پر کنکر بھی پھینک رہے ہیں۔ ان کے نعروں کے الفاظ ہی اس بات کی ضمانت ہیں کہ وہ بھارت سے کس قدر نفرت کرتے ہیں؛"ہم کیا چاہتے، آزادی، ہمارا علاقہ خالی کر دو، بھارتی رول نہیں چلے گا، نہیں چلے گا۔"(۴۰)

بھارت کی غلط پالیسیوں اور وعدہ خلافیوں سے وہ کشمیری جو ایک دور میں شیخ عبداللہ کے حمایتی اور بھارت سے الحاق کے حامی تھے، وہ بھی بھارت سے نفرت کرتے نظر آتے ہیں۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے شیخ عبداللہ کی حمایت میں سینتالیس کے ہنگاموں کے بعد اذیتوں کا بھی مقابلہ کیا۔ انہی کرداروں میں مصنفہ کے والد یعنی بابا بھی ہیں جن کی مسئلہ کشمیر پر گہری نظر ہے اور اس کی تاریخی اور سیاسی حیثیت سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ گھر میں جب بھی اس موضوع پر بات چیت ہوتی ہے تو وہ اس ساری صورت حال کا ذمہ دار بھارت کو ٹھہراتے ہیں۔ ان کا موقف ہے کہ؛

> "شیخ عبداللہ نے بھارت کے ساتھ رشتہ کر کے یہ کہاں سوچا تھا کہ بھارت دھونس دباؤ کے تحت کشمیر کو لونڈی بنائے گا۔ رشتہ طاقت کے بل پر نہیں بنتا بلکہ عزت اور وقار کی برابری پر قائم ہوتا ہے۔ ہماری تین نسلوں نے ہر موڑ اور ہر مرحلے پر بھارت کی چودھراہٹ دیکھی، اس نے ہمارے ساتھ رشتہ کر کے ہمیں یرغمال کر دیا، ہمارے حقوق سلب کر لیے، ہماری آزادی چھین لی۔"(۴۱)

ناول فائرنگ رینج میں پیش کردہ ایک احتجاجی مظاہرے کا منظر بھی بھارت کی مخالفت کی عکاسی کرتا ہے جس میں مظاہرین شدید نعرے بازی کر رہے ہیں۔ ان کے نعروں میں زیادہ نمایاں "اے ظالمو! اے غاصبو! کشمیر ہمارا چھوڑ دو"(۴۲) شامل ہے۔

۲۔ مذہبی ہم آہنگی پر مبنی بیانیہ

ریاست جموں و کشمیر میں 1947ء میں ایک محتاط اندازے کے مطابق 80 فیصد سے زائد مسلمان آباد تھے۔ اس کے علاوہ سکھ اور ہندو بھی وہاں آباد تھے۔ تقسیم ہند کے اعلان کے ساتھ ہی پورے برصغیر میں فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے جس کے اثرات ریاست جموں و کشمیر میں بھی پہنچے۔ کشمیریوں نے جب مہاراجا ہری سنگھ کے خلاف بغاوت شروع کی تو ڈوگرہ فوج نے اسے کچلنے کے لیے مسلمانوں کا قتل عام شروع کیا۔ اس کے بعد کشمیریوں کی حمایت میں پاکستان سے قبائلی لشکر کشمیر میں داخل ہوئے اور انہوں نے سکھوں اور ہندوؤں کا قتل عام کیا۔ اس کے بعد جموں میں مسلمانوں کی کثیر تعداد قتل کی گئی۔ اس قتل و غارت کے رد عمل کے طور پر شیخ عبداللہ نے ہندو، مسلم، سکھ اتحاد کا نعرہ لگایا جسے نیشنل کانفرنس کے بیانیے کی حمایت حاصل تھی۔ اسی کے تحت بعد میں کشمیر میں کسی حد تک مذہبی ہم آہنگی بھی دیکھنے میں آئی جس میں ہندو پنڈتوں اور سکھوں کے مسلمانوں کے ساتھ پر امن تعلقات قائم رہے۔ منتخب ناولوں میں بیان کردہ دیگر بیانیوں کے ساتھ اس اتحادی بیانیے کی جھلک بھی کہیں کہیں نظر آتی ہے۔

سردار کرتار سنگھ اور عبدالصمد بٹ فائرنگ رینج کے کردار ہیں۔ جب منظور احمد فورسز کے تشدد کے بعد زخمی حالت میں گاؤں کے لوگوں کو ملتا ہے تو اس کی حالت انتہائی تشویش ناک ہوتی ہے جسے ہسپتال پہنچانے کے لیے سردار کرتار سنگھ کی موٹر گاڑی کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ جب عبدالصمد بٹ اس سلسلے میں سردار کے گھر جاتا ہے تو وہاں چائے پیتے ہوئے کرتار سنگھ، صمد بٹ کو سرفراز ملک کے خاندان کے ساتھ اپنے خاندان کے پرانے تعلقات بارے بتاتا ہے۔ کرتار سنگھ 1947ء کے ہنگاموں کا تذکرہ کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ میرے دادا لکھن سنگھ کو سرفراز ملک کے والد نے اس وقت گھر میں پناہ دی جب قبائلی حملہ آور وادی میں داخل ہو کر چن چن کر سکھوں کو مار رہے تھے۔ وہ مزید بتاتا ہے کہ سرفراز ملک کے والد کو قبائلیوں کی طرف سے کئی بار مارنے کی دھمکیاں بھی ملیں مگر وہ ثابت قدم رہے۔(۴۳)

چائے کے بعد صمد بٹ اور کرتار سنگھ گاڑی نکالتے ہیں اور منظور احمد کو ہسپتال منتقل کرتے ہیں جہاں مزید کئی نوجوان زخمی حالت میں منتقل کیے جاتے ہیں۔ کرتار سنگھ ایک شدید زخمی نوجوان کو گود میں بھر کر ڈاکٹر کو بلانے کی

کوشش کرتا ہے تو وہ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے جاں بحق ہو جاتا ہے جس پر کرتار سنگھ رنجیدہ ہو کر کہتا ہے؛ "او پتر! مجھے نہیں معلوم تو کس مائی کی گود کا پالا ہے۔ تجھے میری ہی گود میں جھپٹنا کر۔۔۔وہ دھاڑتے ہوئے رونے لگے۔"(۴۴)

کشمیر میں جب مسلح جدوجہد کا آغاز ہوا تو عسکریت پسندوں کی زد پر برسوں سے مسلمانوں کے ساتھ رہنے والے ہندو پنڈت خاندان بھی آئے، جن کی متواتر دھمکیوں کے باعث انہیں وادی سے ہجرت کرنی پڑی۔ ایسا ہی ایک خاندان پنڈت ترلوک ناتھ کا بھی ہے جس کا ذکر ناول فائرنگ رینج میں کیا گیا ہے۔ ترلوک ناتھ کے خاندان نے جب ہجرت کا فیصلہ کیا تو ان کے پڑوسی خواجہ احمد قدوس اور نورالدین شاہ نے انہیں بھاری دل سے رخصت کیا۔ اس خاندان کو ٹنل پار تک ٹیکسی میں چھوڑنے کا انتظام بھی انہوں نے کیا اور اس حساس ذمہ داری کے لیے بھی نورالدین شاہ نے اپنے بیٹے منظور احمد شاہ کا انتخاب کیا اور اسے سختی سے نصیحت کی کہ یہ لوگ آپ کی امانت ہیں ان کو محفوظ مقام تک پہنچانا آپ کی ذمہ داری ہے۔ اس پر منظور احمد شاہ تسلی دیتا ہے کہ " ابا جی! بے فکر رہیے ضرورت پڑی تو جان سپر کر دوں گا۔"(۴۵)

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہندو، مسلم، سکھ اتحاد کا مذہبی ہم آہنگی پر مبنی بیانیہ بھی ناولوں میں موجود ہے۔

۳۔ کشمیری بیانیہ

ناول دہشت زادی میں کہیں کہیں کشمیر کی تاریخی اور سیاسی حیثیت کے بارے میں بھی تاثرات ملتے ہیں جن سے خالصتاً کشمیری بیانیہ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مصنفہ خود کلامی کے انداز میں سوچتی ہے کہ ہم نے بچپن سے جو تاریخ سکولوں میں پڑھی ہے وہ خالصتاً بھارت کے تعلیمی نصاب کی ضرورت کے تحت پڑھی ہے اور اس میں کشمیر کی اصلی تاریخ نہیں ملتی۔ اس کے برعکس اسے اپنے بابا سے بچپن سے پڑھی ہوئی اور سنی ہوئی تاریخ کشمیر یاد ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ کشمیری بھارت سے الحاق کے حامی نہیں ہیں بلکہ انہیں بھارت نے ٹال مٹول سے کام لے کر اور سیاسی حربے استعمال کر کے زبردستی اپنے ساتھ ملایا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ کشمیری کہیں کہیں اس بات پر تذبذب کا شکار بھی نظر آتے ہیں کہ پاکستان اور بھارت دونوں کی لڑائی میں کشمیری قوم کا جانی نقصان ہو رہا ہے، جس سے کشمیری بے یقینی کا شکار ہیں کہ وہ

کس کے ساتھ ہیں اور ان کا مستقبل کیا ہے۔ انہیں یہ مسئلہ درپیش ہے کہ بحثیت کشمیری ان کی شناخت کیا ہے۔ مصنفہ کے الفاظ میں؛

" آزادی کا مطلب شاید اس کے لیے بھی اپنی سر زمین، اپنا مکان اور اپنی شناخت ہے جس کا خواب ہم سب نے انیس سو سنتالیس سے پالا ہوا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ہم یہ خواب لے کر پیدا ہوئی ہیں کہ ایک دن ہمارا اپنا وطن ہو گا جس کو ہندوستان نے سیاسی سازشوں سے ہم سے چھین لیا ہے۔"(۴۶)

اسی نقطہ نظر کی ایک جھلک فائر نگ رینج: کشمیر 1990ء میں بھی ملتی ہے جہاں ناول کے دو کرداروں خواجہ احمد قدوس اور ماسٹر ترلوک ناتھ کے درمیان ہونے والے مکالمے کی صورت میں ملتی ہے۔ خواجہ احمد قدوس کہتا ہے؛

"اور اس بدنصیب سرزمین کی المناک داستان کا ایک باب تب لکھا گیا تھا اور ایک نیا خونریز باب اب لکھا جارہا ہے۔ اور 1947ء میں جشن آزادی پر دیوانہ وار رقص کرنے والے سرمستی میں یہ بات بھول گئے کہ جس ڈھول کی تھاپ پر وہ تھرک تھرک کر ناچ رہے ہیں اس پر کشمیری قوم کی کھال بڑی مہارت سے منڈھی گئی ہے۔"(۴۷)

مندرجہ بالا واقعات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کچھ کشمیری اپنی الگ شناخت کے حامی ہیں اور کشمیر کی آزادی اور خودمختاری کو اولین ترجیح سمجھتے ہیں۔

۴۔ ہندوستانی بیانیہ

کشمیری قوم کو ہندوستان میں جس تعصب کا سامنا رہتا ہے اس کا اظہار بھی ناولوں میں ملتا ہے۔ ہندوستانی سمجھتے ہیں کہ نہ تو کشمیری ہماری حمایت کرتے ہیں اور نہ کھل کر ہماری مخالفت کرتے ہیں۔ ناول فائرنگ رینج میں ایک واقعہ درج ہے جس میں ہندوستانی فوج کا افسر دھیرج کمار کشمیریوں کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے۔

"ایک بات میں ایمان سے کہتا ہوں وہ یہ کہ مجھے آج تک کشمیری قوم کا کیریکٹر سمجھ نہیں آیا۔ جب ہم آپ کے مجاہدوں کی تلاش میں کسی بستی میں جاتے ہیں تو بستی والے گالیاں دے کر ہمارا

سوا گت کرتے ہیں اور ان کے خلاف شکایتیں کرتے ہیں کہ وہ ہمارے گھروں میں زبردستی گھستے ہیں۔ پیسہ مانگتے ہیں۔ بہو بیٹیوں کو بری نظروں سے دیکھتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ اور جب وہ آتے ہیں تو ہماری شکایتوں کا دفتر کھولتے ہیں۔ فوجیوں نے مار پیٹ کی۔ جوانوں کا انٹروگیشن کیا۔ عورتوں کے ساتھ بدتمیزی کی۔ آپ لوگ ہمارے مسیحا ہو۔ ہم آپ کے لیے اپنا خون دیں گے وغیرہ وغیرہ۔"(۴۸)

فائرنگ رینج کا کردار منظور احمد جب ہیومن رائٹ کمیشن کے نمائندے کے سامنے اپنے حراست کے دوران تشدد کا تذکرہ کرتا ہے تو اس پر کمیشن کا نمائندہ فوجی کو دیکھتا ہے تو وہ آگے سے کشمیریوں کے متعلق جو بیان کرتا ہے اس میں ہندوستانی بیانیہ کی تائید نظر آتی ہے۔

"آج کی ڈیٹ میں کشمیر کے اندر ایک فرد ایسا نہیں جو ہمیں حقیقی صورت حال کی جانکاری دے سکے۔ اس لیے یہ ہماری اسٹریٹیجی کا ایک حصہ ہے کہ دس کو پکڑ لاؤ تو ایک جھپیٹے میں آئے گا۔ کشمیری قوم کے پھیر پھار سے آپ واقف نہیں۔ کوئی نہیں بتا سکتا کہ کس کشمیری کے پھرن کے نیچے کانگڑی ہے اور کس نے کلاشنکوف چھپا کے رکھی ہے۔"(۴۹)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بھارتی حکومت کا نقطہ نظر کشمیریوں کے متعلق انتہائی مشکوک ہے جو ہر کشمیری کو شک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں بھارتی سکیورٹی فورسز کشمیری نوجوانوں کو حراست میں لے کر مہینوں غائب رکھتے ہیں، جبری گمشدگیوں کی کثیر تعداد دن بہ دن بڑھتی جاتی ہے جبکہ بھارتی حکومت اور بالخصوص فوجی اہلکار گمشدہ افراد کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ انہیں ہم نے اغوا نہیں کیا بلکہ وہ اپنی رضامندی سے سرحد پار کر کے پاکستان میں عسکریت پسندی کی تربیت حاصل کرنے گئے ہیں۔ جب بھی کشمیری لوگ اپنے گمشدہ افراد کی رپورٹ درج کرانے اور ان کی حراست سے باعزت رہائی کا مطالبہ لیے پولیس اسٹیشن جاتے ہیں تو ان کو جواب دیا جاتا ہے کہ اس کی گمشدگی بارے ہمیں کچھ علم نہیں ہے بلکہ آپ آرام سے گھر جا کر بیٹھ جائیں کچھ دن بعد آپ کو سرحد پار سے فون آجائے گا کہ آپ کا بیٹا خیریت سے یہاں پہنچ گیا ہے۔ فائرنگ رینج میں ایسا ہی ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے جس میں نورالدین اپنے بیٹے منظور احمد کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرانے جاتا ہے اور اسے تھانیدار کہتا ہے۔

"حضرت آپ گھر جا کر اطمینان سے بیٹھیے۔ یا تو کچھ روز میں لاش ملے گی یا پھر سرحد پار سے آپ کو بیٹے کی خیریت کا فون آئے گا۔ ہم صرف اتنا کر سکتے ہیں کہ اگر کوئی لاوارث لاش برآمد ہوئی تو آپ کو شناخت کرنے کے لیے طلب کریں گے اور جس دن آپ شناخت کرنے کے لیے نہیں آئیں گے ہم سمجھ جائیں گے کہ آپ کو سرحد پار سے فون آیا ہے۔"(۵۰)

یہ ایک سوچا سمجھا اور باقاعدہ منصوبہ بندی پر مبنی بیانیہ ہے جسے بھارت نے اپنا رکھا ہے کہ جس بھی نوجوان کو گرفتار کر لیں انہیں اپنی ذمہ داری میں لینے کے بجائے الٹا یہ کہا جاتا ہے کہ وہ سرحد پار تربیت کے لیے گیا ہو گا۔

منتخب ناولوں میں بیان کیے گئے بیانیوں کا جائزہ لیا جائے تو اس میں ہندوستان مخالف بیانیہ سب سے زیادہ ملتا ہے جبکہ کشمیری بیانیہ اور مذہبی ہم آہنگی پر مبنی بیانیہ بھی نظر آتے ہیں۔

ناولوں میں بیان کیے گئے فنی وسائل کا جائزہ لیا جائے تو ناول نگاروں نے کرداروں، کرداروں کے درمیان ہونے والے مکالموں اور منظر نگاری کے ذریعے ریاستی جبر کی مختلف کارروائیوں کو بے نقاب کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اسی طرح ناولوں میں بیان کیے گئے واقعات سے مختلف بیانیوں کی نشاندہی بھی کی جا سکتی ہے۔ کردار نگاری میں دونوں ناول نگاروں نے حالات اور واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے کرداروں کی تشکیل کی ہے۔ دونوں ناولوں کے کردار مکمل طور حالات کی نمائندگی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ دونوں ناولوں میں کچھ کردار مرکزی اہمیت کے حامل ہیں جن کی موجودگی سے ناولوں کے واقعات کا تسلسل آگے بڑھتا ہے۔ اسی طرح کچھ کردار ضمنی حیثیت میں بھی کہانی کو آگے بڑھانے اور حالات کی عکاسی میں سامنے آتے ہیں جن سے واقعات کو سمجھنے میں آسانی رہتی ہے۔ کرداروں کے درمیان ہونے والے مکالموں میں بھی مجموعی صورت حال کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ مکالمے کہیں یک طرفہ نوعیت کے ہوتے ہیں جہاں طاقت ور کرداروں کی جانب سے محض حکم نامے جاری کیے جاتے ہیں اور دوسری طرف سے التجا اور رحم کے انداز میں ان کا جواب دیا جاتا ہے۔ ان مکالموں میں ایک طرف متکبر کرداروں کی عکاسی نظر آتی ہے جبکہ دوسری طرف بے بسی نمایاں ہوتی ہے۔

حوالہ جات

1۔ حفیظ صدیقی، ابوالاعجاز، کشاف تنقیدی اصطلاحات، ادارہ فروغ قومی زبان، اسلام آباد، طبع دوم، 2018ء، ص250

2۔ مجید بیدار، ڈاکٹر، ناول اور متعلقات ناول، نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، حیدر آباد، طبع اول، ستمبر 1989ء، ص143

3۔ سفینہ بیگم، ڈاکٹر، اردو ناول نظری و عملی تنقید، عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی، 2022ء، ص47

4۔ سہیل بخاری، اردو ناول نگاری، مکتبہء جدید، لاہور، بار اول، 1960ء، ص25-26

5۔ نعیمہ احمد مہجور، دہشت زادی، ص8

6۔ ایضاً، ص12

7۔ ایضاً، ص12

8۔ ایضاً، ص37

9۔ ایضاً، ص94

10۔ شفق سوپوری، فائرنگ رینج: کشمیر 1990ء، ص112

11۔ نعیمہ احمد مہجور، دہشت زادی، ص139

12۔ شفق سوپوری، فائرنگ رینج: کشمیر 1990ء، ص75

13۔ ایضاً، ص48

14۔ ایضاً

15۔ ایضاً، ص59-60

16۔ نعیمہ احمد مہجور، دہشت زادی، ص130

17۔ شفق سوپوری، فائرنگ رینج: کشمیر 1990ء، ص59-60

18۔ یحییٰ ابدالی، ڈاکٹر، اردو ناول کا تنقیدی جائزہ، کوالٹی آفسٹ پریس، پٹنہ، 2010ء، ص49

19۔ علی حیدر، سید، اردو ناول سمت و رفتار، شبستان، الہ آباد، طبع اول، 1977ء، ص80

20۔ نعیمہ احمد مہجور، دہشت زادی، ص94

21۔ ایضاً

22۔ شفق سوپوری، فائرنگ رینج: کشمیر 1990ء، ص59۔60

23۔ ایضاً، ص111۔112

24۔ نعیمہ احمد مہجور، دہشت زادی، ص140۔141

25۔ شفق سوپوری، فائرنگ رینج: کشمیر 1990ء، ص35۔36

26۔ ایضاً، ص74

27۔ نعیمہ احمد مہجور، دہشت زادی، ص150

28۔ عتیق اللہ، پروفیسر، ادبی اصطلاحات کی وضاحتی فرہنگ، جلد اول، ثمر آفیسٹ پریس، نئی دہلی، 1995ء، ص372

29۔ مولوی سید احمد، دہلوی (مرتبہ)، فرہنگِ آصفیہ، جلد سوم، اردو سائنس بورڈ، لاہور، طبع اول، 2008ء، ص493

30۔ عمر فاروق، ڈاکٹر، اصطلاحاتِ نقد و ادب، اردو اکادمی، دہلی، طبع اول، 2004ء، ص215

31۔ مجید بیدار، ڈاکٹر، ناول اور متعلقات ناول، ص71

32۔ سفینہ بیگم، ڈاکٹر، اردو ناول نظری و عملی تنقید، عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی، 2022ء، ص34

33۔ ایضاً

34۔ نعیمہ احمد مہجور، دہشت زادی، ص130

35۔ ایضاً، ص140

36۔ امان اللہ محسن، نیاناول: نئے تجربات، مشمولہ: ادبیات (ناول نمبر)، جلد اول، شمارہ جولائی تا دسمبر 2019ء، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ص121

37۔ قاسم یعقوب، ناول میں نئی تکنیک اور تجربات، ایضاً، ص99

38۔ نعیمہ احمد مہجور، دہشت زادی، ص8۔9

39۔ ایضاً، ص12

40۔ ایضاً، ص28

41۔ ایضاً، ص37

42۔ شفق سوپوری، فائر نگ رینج: کشمیر1990ء، ص35

43۔ ایضاً، ص92

44۔ ایضاً، ص98

45۔ ایضاً، ص48

46۔ نعیمہ احمد مہجور، دہشت زادی، ص8

47۔ شفق سوپوری، فائر نگ رینج: کشمیر1990ء، ص48۔49

48۔ ایضاً، ص110۔111

49۔ ایضاً، ص77

50۔ ایضاً، ص52

مجموعی جائزہ

مقبوضہ کشمیر پر بھارت کے غاصبانہ قبضے کو پچھتر سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے۔ وہاں کی مقامی آبادی کو آئے روز بھارتی جبر و تشدد کا سامنا رہتا ہے۔ بھارتی ظلم و ستم کے نتیجے میں نوے کی دہائی میں شروع ہونے والی مسلح جدوجہد نے آزادی کی خواہش رکھنے والوں کو نت نئے مظالم کے شکنجے میں ڈال دیا۔ آزادی پسندوں کی کوششوں کو کچلنے کے لیے بھارت نے سکیورٹی فورسز کی تعداد میں کئی گنا اضافے کرتے ہوئے ان کے اختیارات بھی بڑھا دیے۔ اختیارات کے ناجائز استعمال سے مقامی آبادی کا جینا دوبھر ہو گیا۔ ہزاروں کی تعداد میں کشمیریوں کا قتل عام ہوا۔ کئی عورتوں کی بے حرمتی کی گئی۔ بچے یتیم ہوئے۔ ہزاروں نوجوانوں کو جبری طور پر لاپتہ کیا گیا۔ حراستی مراکز میں ہونے والے تشدد سے کئی افراد جان کی بازی ہار گئے۔ مختصر یہ کہ وادی کا کوئی بھی خاندان ایسا نہ تھا جو بھارتی بربریت سے متاثر نہ ہوا ہو۔ ان بہیمانہ پر تشدد کارروائیوں کو پوری دنیا میں وقتاً فوقتاً اجاگر کیا جاتا رہا ہے۔ علاوہ ازیں مقبوضہ کشمیر سے تعلق رکھنے والے ادیبوں نے بھی اپنی تخلیقات میں ان حالات کی عکاسی پیش کی ہے۔

ڈاکٹر شفق سوپوری اور نعیمہ احمد مہجور کا تعلق بھی مقبوضہ وادی سے ہے۔ ڈاکٹر شفق سوپوری بہ یک وقت شاعر، موسیقار اور ناول نگار کی حیثیت سے کشمیر کے علاوہ ہندوستان اور پاکستان میں بھی اپنا نام پیدا کر چکے ہیں۔ آپ کا ناول "فائرنگ رینج: کشمیر 1990ء" انہی حالات و واقعات کی ترجمانی کے حوالے سے ہے جو کشمیر میں پیدا کیے گئے انسانی المیے کی بنیاد بنے۔ اسی طرح نعیمہ احمد مہجور کا تعلق معروف کشمیری شاعر غلام احمد مہجور کے خانوادے سے ہے۔ آپ ایک صحافی کے طور پر جانی جاتی ہیں اور طویل عرصے تک بی بی سی سے وابستہ رہنے کے بعد آج کل انڈیپنڈنٹ اردو پر اپنے کالمز اور بلاگز لکھتی رہتی ہیں جن میں زیادہ تر کشمیر اور پاک و ہند کے سیاسی اور سماجی مسائل زیر بحث لاتی ہیں۔ آپ کا ناول "دہشت زادی" کشمیریوں کی مسلح جدوجہد کے بعد ہونے والے بھارتی ظلم و تشدد کی نہ ختم ہونے والی طویل داستان کی عکاسی پر مشتمل ہے۔

ریاستی جبر میں وہ تمام اختیارات شامل ہوتے ہیں جو کہ کوئی ریاست اپنی رٹ بحال کرنے، ملک میں امن و امان کے قیام اور ریاست مخالف کسی بھی احتجاج یا مزاحمت کا راستہ بند کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ ریاستی جبر کی

عام شکلوں میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں، نسل کشی، اقلیتوں پر جبر، تشدد اور قیدیوں سے بدسلوکی وغیرہ شامل ہیں۔ تشدد کو ریاستی جبر میں مرکزی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ ریاستی جبر کی کوئی بھی شکل ہو اس میں تشدد لازمی جزو تصور کیا جاتا ہے۔ تشدد کے بنیادی مفاہیم کو مدنظر رکھا جائے تو اس کی کئی ذیلی اقسام بنتی ہیں۔ عالمی ادارہ صحت نے تشدد کی تین بڑی اقسام وضع کی ہیں جن میں خود ساختہ تشدد، بین الشخصی تشدد اور گروہی تشدد اہم ہیں۔ گروہی تشدد میں سماجی، سیاسی اور معاشی تشدد شامل ہیں۔ تشدد کی اطلاقی صورتوں میں جسمانی تشدد اور نفسیاتی تشدد اہم ہیں۔ ان دونوں صورتوں کے کئی قدیم اور جدید طریقے آج بھی ریاستی جبر کے تحت استعمال کیے جاتے ہیں۔

منتخب ناولوں کے باریک بین مشاہدے کے بعد ریاستی جبر کی مختلف صورتوں کا جائزہ لیا جائے تو اس میں انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں کی نشاندہی ہوتی ہے۔ انسانیت کی تذلیل پر مبنی جبری ہتھکنڈوں میں شناخت پریڈ کے دوران لڑکوں کو ننگا کر کے شناخت کے مرحلے سے گزارنا، عمر اور جنس کا لحاظ کیے بغیر انہیں ذلیل کرنا، گندے پانی میں برہنہ کر کے ڈبکیاں لگانے پر مجبور کرنا، برہنہ حالت میں حراستی مراکز میں تشدد کا نشانہ بنانا اور خواتین کی بے حرمتی جیسے اقدامات شامل ہیں۔ اس طرح کے تمام غیر انسانی رویوں کا اطلاق بالخصوص کشمیر کی مسلم آبادی کو نشانہ بنانے کے لیے کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس ہندو پنڈت خاندانوں کو وادی میں بھارتی سکیورٹی فورسز کی جانب سے کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچایا جاتا بلکہ انہیں صرف آزادی پسندوں کے ممکنہ حملوں سے بچانے کے لیے ریاست سے ہجرت کرنے اور محفوظ مقامات پر پناہ لینے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

ناولوں میں بیان کی گئی ریاستی جبر کی دیگر اہم صورتوں میں قیدیوں اور بالخصوص حراست میں لیے گئے نوجوانوں پر جسمانی اور نفسیاتی تشدد کا اطلاق بھی شامل ہے۔ دورانِ حراست قیدیوں کو پوچھ گچھ کے نام پر مختلف اذیتیں دی جاتی ہیں۔ انہیں مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ تمام نہ کردہ جرائم کا اقرار کریں۔ حراست میں لیے گئے افراد کو بغیر کسی عدالتی کارروائی کے طویل عرصے تک قید رکھا جاتا ہے۔ ان میں کئی افراد کی تشدد کے دوران ہلاکت کے واقعات بھی ناولوں میں بیان کیے گئے ہیں۔ بعض دیگر کو شدید زخمی حالت میں کسی بھی جگہ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ منتخب ناولوں میں کچھ واقعات ایسے بھی ملتے ہیں جن سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بھارت کشمیریوں کی نسل کشی کے سوچے سمجھے منصوبے پر کام کر رہا

ہے۔ مثلاً اجتماعی قبروں کی دریافت سے اندازہ ہوتا ہے کہ نوے کی دہائی میں کشمیری نوجوانوں کو کس بے دردی سے قتل کیا گیا ہے۔

جسمانی تشدد کی مختلف صورتوں کا جائزہ لیا جائے تو بھارتی سکیورٹی فورسز کی جانب سے نوجوانوں کو شناخت پریڈ کے دوران وحشیانہ جسمانی تشدد کا نشانہ بنانے کے واقعات بھی ملتے ہیں۔ انہیں تھپڑوں، لاتوں اور مکوں کے علاوہ ڈنڈوں اور بندوق کے بٹوں سے مارا جاتا ہے۔ حراستی مراکز میں ہونے والے جسمانی تشدد میں کرنٹ لگانا، برہنہ کر کے ڈنڈوں سے مارنا، الٹا لٹکانا، بھوکا پیاسا رکھنا، وغیرہ شامل ہیں۔ قتل و غارت گری کے واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سکیورٹی فورسز کشمیر کی مقامی آبادی کو مزاحمت پسندوں اور بے گناہوں کا فرق کیے بغیر ختم کرنا چاہتی ہے۔ انہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کوئی شدت پسند ہے بھی یا نہیں، وہ تمام کشمیری نوجوانوں کو مسلح شدت پسند سمجھ کر قتل کرنا چاہتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ ہسپتال میں آئے مریضوں اور ان کے لواحقین کو بھی بغیر کسی ہچکچاہٹ کے فائرنگ کر کے مارنے سے باز نہیں آئے۔

نفسیاتی تشدد کی مختلف صورتیں بھی ریاستی جبر کے اہم حربوں میں استعمال ہوتی ہیں۔ خوف اور دہشت کی فضا قائم رکھنے اور لوگوں کو ڈرانے دھمکانے کے لیے عسکری طاقت کا کھلے عام اظہار بھی بھارتی جبری ہتھکنڈوں میں شامل ہے۔ ناولوں میں بیان کیے گئے مختلف واقعات کے جائزے سے اندازہ ہوتا ہے کہ سکیورٹی فورسز کسی بھی وقت اور کسی بھی علاقے کا محاصرہ کر کے وہاں شناخت پریڈ کی کارروائی شروع کر دیتے ہیں۔ علاقہ مکینوں کو ذہنی اذیت میں مبتلا رکھنے کے لیے گھر گھر تلاشی کے بہانے تلاش کیے جاتے ہیں۔ کرفیو لگا کر لوگوں کو گھروں میں محصور کر دیا جاتا ہے جس سے کئی نفسیاتی الجھنیں جنم لیتی ہیں۔ کراس فائرنگ کے واقعات سے بھی علاقے میں خوف و ہراس پھیل جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بچوں کو بھی آئے روز کی فائرنگ سے ذہنی دباؤ کا سامنا رہتا ہے اور وہ اس ماحول سے نکلنا چاہتے ہیں۔

مقبوضہ کشمیر کی خواتین کو بطور خاص نفسیاتی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ انہیں ہراساں کرنے اور جنسی تشدد کا نشانہ بنانے کے واقعات بھی ناولوں میں ملتے ہیں۔ جنسی تشدد سے نہ صرف جسمانی اذیت کو برداشت کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے بلکہ یہ شدید ذہنی دباؤ کا سبب بھی بنتی ہے۔ اس ذہنی دباؤ کے نتیجے میں خودکشی کے واقعات میں بھی اضافہ ہوتا

ہے۔ علاوہ ازیں خواتین کو ہراساں کر کے علاقہ مکینوں کو اپنے تابع کرنے اور مزاحمت کاروں کا راستہ روکنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ خواتین کے تحفظ اور فوجیوں کے خوف کا یہ عالم ہے کہ دروازے پر ذرا سی بھی دستک ہو جائے تو پہلے دھیان گھر کی خواتین کی طرف جاتا ہے کہ اگر فوجی گھر میں گھس آئے تو ان کا کیا بنے گا۔

پکڑ دھکڑ اور حراست میں لینا بھی سکیورٹی فورسز کی معمول کی کارروائیوں کا حصہ ہیں۔ نوجوانوں کو فوجی گاڑی دیکھتے ہی گھروں میں دبک کر رہ جانے یا محفوظ مقامات کی طرف بھاگ جانے کے واقعات بھی ناولوں میں بیان کیے گئے ہیں۔ بھارتی فوجی اخوانیوں کی مدد سے کسی بھی بے گناہ نوجوان کو حراست میں لینے کے لیے اپنی پوری طاقت استعمال کرتے ہیں۔ اس دوران اگر کوئی نوجوان مزاحمت کرے تو اسے مکمل برہنہ کر کے شناخت پریڈ کروائی جاتی جو کہ انتہائی اذیت ناک عمل ہے۔ پکڑ دھکڑ کی کارروائیوں میں حراست میں لیے گئے افراد کے لواحقین کو بھی شدید ذہنی الجھن کا سامنا ہوتا ہے۔ انہیں فوجیوں کی منت سماجت اور خوشامد کرنی پڑتی ہے جس پر فوجی انہیں بری طرح دھتکار دیتے ہیں۔

ریاستی جبر کی صورتوں کی پیش کش میں ناول نگاروں نے فنی وسائل کا استعمال بھی بہتر انداز میں کیا ہے۔ ناول نگاروں نے کرداروں، کرداروں کے درمیان ہونے والے مکالموں اور منظر نگاری کی بہترین مثالوں کے ذریعے بھارتی جبری ہتھکنڈوں کو بے نقاب کرنے میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔ کرداروں کی بات کی جائے تو دونوں ناولوں میں مرکزی کرداروں اور کئی ضمنی کرداروں کے ذریعے صورت حال کی عکاسی کی گئی ہے۔ ان میں سے کچھ کردار تو بھارتی سکیورٹی فورسز سے ہیں جبکہ کچھ مقامی محکمہ پولیس کے ملازم ہیں۔ اسی طرح مقامی آبادی کے کرداروں میں بھی بچوں، نوعمر لڑکوں، بوڑھوں اور عورتوں کے کردار بھی ناولوں میں بیان کیے گئے واقعات کے تسلسل میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

کرداروں کے درمیان ہونے والے مکالموں سے وہاں کی اصل صورت حال کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ مکالمے مقامی آبادی کے کرداروں کے درمیان بھی ہوتے ہیں جن میں حالات کے بارے میں مسلسل بے چینی اور تشویش پائی جاتی ہے۔ اسی طرح مقامی کرداروں اور بھارتی سکیورٹی فورسز کے کرداروں کے درمیان ہونے والے مکالموں میں ایک طرف عجز و انکساری پائی جاتی ہے جبکہ دوسری طرف رعونت اور تکبر کا اظہار کیا جاتا ہے۔ طاقت کے نشے میں سکیورٹی فورسز مقامی لوگوں کو بری طرح بے عزت کرتے ہیں۔

ناولوں میں بیان کیے گئے واقعات کو مکمل جزئیات کے ساتھ پیش کرنے میں بھی ناول نگاروں نے خاصی محنت کی ہے۔شناخت پریڈ، کرفیو، گھر گھر تلاشی، کریک ڈاؤن، کراس فائرنگ یا انٹروگیشن سنٹر میں ہونے والا تشدد ہو ناول نگاروں نے تمام مناظر کو انتہائی باریک مشاہدے سے تحریر کیا ہے۔

ناولوں میں بیان کیے گئے واقعات سے مختلف بیانیے بھی سامنے آتے ہیں۔ناولوں میں ایسے کئی واقعات ملتے ہیں جن سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کشمیری بھارت کی ناانصافیوں، ظلم اور تشدد کے ہمیشہ سے خلاف رہے ہیں۔بھارتی ظلم اور بربریت کے ساتھ ساتھ سیاسی وعدہ خلافیوں کی وجہ سے بھی کشمیری بھارت سے نفرت کرتے ہیں۔بھارت نے 1947 سے لے کر اب تک جس چالاکی اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کشمیریوں کے ساتھ کیا ہے اس کی جھلک ناولوں میں بھی ملتی ہے۔

کچھ واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندو مسلم سکھ اتحاد کے نعرے پر مبنی شیخ عبداللہ کی بھارت نواز نیشنل کانفرنس کا بیانیہ بھی سامنے آتا ہے۔شیخ عبداللہ کی نیشنل کانفرنس نے 1947 میں ریاستی وحدت اور تشخص کو برقرار رکھنے کے لیے یہ نعرہ استعمال کیا تھا جس میں زور دیا گیا تھا کہ ریاست کشمیر میں بسنے والے تمام مذاہب کے لوگ ریاست کا مان ہیں اور انہیں یکساں حقوق دیے جائیں گے۔یہ دراصل انڈین نیشنل کانگریس اور نہرو کا حمایتی بیانیہ تھا جس سے پاکستان کے موقف کی تردید ہوتی تھی کہ ریاست کشمیر میں مسلمانوں کی اکثریت ہے تو اس لحاظ سے اسے پاکستان سے الحاق کر لینا چاہیے۔

خالصتاً کشمیری بیانیہ کی ہلکی سی جھلک بھی ناولوں میں بیان کیے گئے اکادکا واقعات سے نظر آتی ہے۔اسی طرح ہندوستان کا بیانیہ بھی کہیں کہیں نظر آتا ہے جس میں وہ کشمیری قوم کو منافق اور مشکوک سمجھتا ہے کہ وہ نہ کھل کر ہماری حمایت کرتے ہیں اور نہ ہی مکمل آزادی کے خواہش مند ہیں۔ناولوں میں بھارتی فوجیوں کے کچھ کرداروں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ تمام کشمیریوں کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ وہ اگر کھل کر بھارت کے خلاف آزادی کی جنگ نہیں بھی لڑ رہے تو مجاہدین کی مدد ضرور کرتے ہیں۔

نتائج

تحقیق کے درج ذیل نتائج اخذ کیے گئے ہیں۔

1۔ دونوں ناولوں میں بیان کیے گئے واقعات کا تعلق نوے کی دہائی کے ابتدائی چند سالوں سے ہے جب وادی میں بھارتی غاصبانہ قبضے کے خلاف پہلی بار مسلح جدوجہد کا آغاز ہوا۔ ان حالات کا مشاہدہ دونوں ناول نگاروں نے اپنی آنکھوں سے کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کسی حد تک ان واقعات میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ لیکن اس سے پہلے اور بعد کے حالات کا تذکرہ ناول نگاروں نے نہیں کیا ہے۔ تاہم کہیں کہیں ماضی یعنی تقسیم کے وقت کشمیر کی صورت حال کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔

2۔ منتخب ناولوں میں تشدد پر مبنی واقعات کا تذکرہ مکمل تفصیلات اور پس منظر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ شناخت پریڈ، حراستی مراکز میں ہونے والے تشدد، پکڑ دھکڑ، کرفیو اور کریک ڈاؤن کے دوران ہونے والی پر تشدد کارروائیوں کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔ البتہ حراستی مراکز میں ہونے والے تشدد کا تفصیلی ذکر فائرنگ رینج: کشمیر 1990ء میں کیا گیا ہے۔ اس کے برعکس دہشت زادی میں بیان کیے گئے واقعات میں دوران حراست تشدد کا تذکرہ نسبتاً کم اور سرسری انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

3۔ ناولوں میں بیان کی گئی ریاستی جبر کی صورتوں میں زیادہ تر تشدد، انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں اور قیدیوں سے بدسلوکی شامل ہیں۔ اسی طرح قتل و غارت گری اور جبری گمشدگی کے واقعات بھی ملتے ہیں۔ لیکن نسل کشی کے عملی اقدامات سے متعلق کوئی واقعہ جزئیات کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا ہے۔ تاہم گمنام قبروں کی نشاندہی کے حوالے سے فائرنگ رینج میں ایک واقعہ سرسری انداز میں بیان کیا گیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ بھارتی سکیورٹی فورسز نے کئی بے گناہ نوجوانوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ جس کی تصدیق 2011ء میں گمنام قبروں کی دریافت سے ہوتی ہے۔

4۔ زیر تحقیق دونوں ناولوں میں خواتین کی بے حرمتی اور ہراسانی کے واقعات کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ دہشت زادی میں ان واقعات کو تفصیلی طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس کے برعکس فائرنگ رینج میں خواتین کے ساتھ زیادتی کے واقعات کا اس طرح مفصل تذکرہ نہیں کیا گیا ہے تاہم کچھ اشارے ضرور ملتے ہیں جن میں عورتوں سے بداخلاقی کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔

5۔ ناول کی صنف بیانیہ کی تشکیل میں بھی مددگار ثابت ہوتی ہے۔ منتخب ناولوں کے مطالعہ سے جن بیانیوں کی نشاندہی ہوتی ہے، ان میں زیادہ تر بھارت مخالف بیانیہ پر مبنی واقعات دونوں ناولوں میں ملتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اوسطاً ہر کشمیری بھارت کی ظالمانہ کارروائیوں سے عاجز آچکا ہے اور اس سے نفرت کرتا ہے۔ اس کے علاوہ مذہبی ہم آہنگی پر مبنی واقعات کے ذکر سے اندازہ ہوتا ہے کہ کچھ کشمیری ہندو، مسلم، سکھ اتحاد کے نیشنل کانفرنس کے نعرے کو بھی پسند کرتے ہیں اور آپس میں باہم اتفاق واتحاد سے رہنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح کچھ واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ کشمیری مکمل آزادی کے خواہاں ہیں اور انہیں اپنی جداگانہ شناخت برقرار رکھنے کا احساس ہے۔

6۔ ناول نگاروں نے ناولوں میں فنی وسائل کا استعمال بھی احسن انداز میں کیا ہے۔ کرداروں کی بنت، کرداروں کے درمیان ہونے والے مکالموں اور واقعات کی منظر نگاری کو تسلسل اور حالات کے مطابق پیش کیا ہے۔ شفق سوپوری کے ناول میں کردار زیادہ جاندار اور متحرک ہیں لیکن نعیمہ احمد مہجور کے کردار زیادہ تر ان کے قریبی عزیز و اقارب ہیں اور ان میں اس طرح کی چمک دمک نظر نہیں آتی ہے۔ اسی طرح مکالموں میں بھی شفق سوپوری کے ہاں زیادہ بہتر انداز نظر آتا ہے۔ البتہ واقعات کی منظر نگاری کے حوالے سے دونوں ناول نگاروں نے بہترین انصاف کیا ہے۔

7۔ دہشت زادی کی مصنفہ نعیمہ احمد مہجور ایک پیشہ ور صحافی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان کا صحافتی اسلوب پورے ناول میں بیان کیے گئے واقعات میں نظر آتا ہے۔ اس کے برعکس شفق سوپوری بحثیت شاعر اور ناول نگار ادبی حلقوں میں جانے جاتے ہیں اور اسی لیے ان کے ناول فائرنگ رینج کا اسلوب بھی خالصتاً ادبی ہے بلکہ کہیں کہیں شاعرانہ انداز میں بھی واقعات تحریر کیے گئے ہیں۔

سفارشات

دورانِ تحقیق مقبوضہ کشمیر کی ادبی روایت، وہاں کے اہم ناول نگاروں، افسانہ نگاروں اور شعراء کے بارے میں جاننے کا موقع ملا۔ تحقیقی عمل کے نتیجے میں جو سفارشات سامنے آئیں وہ درج ذیل ہیں:

1۔ مقبوضہ کشمیر ادبی حوالے سے انتہائی زرخیز خطہ ہے۔ یہاں ناول نگاری کے علاوہ افسانہ، غزل اور نظم لکھنے والوں کی بھی اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان اصناف ادب میں بھی جامعاتی سطح پر تحقیق کروائی جائے تاکہ وہاں کی ادبی روایت کو سمجھنے میں آسانی رہے۔ مقبوضہ کشمیر میں لکھے جانے والے افسانوں میں بھی وہاں کے حالات کی عکاسی ملتی ہے۔ اسی طرح کی تحقیق وہاں کے افسانوں کے حوالے سے بھی کی جاسکتی ہے۔

2۔ مقبوضہ کشمیر میں مسلم ادیبوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم ادیبوں کی بھی اچھی خاصی تعداد موجود ہے اور وہ ناول نگاری، افسانہ نگاری اور شاعری میں برابر اپنا حصہ ڈال رہے ہیں۔ وہاں کے سیاسی ماحول، سماجی مسائل اور تاریخی ورثے کو دونوں مذاہب سے تعلق رکھنے والے ادیبوں نے اپنے اپنے نقطہ نظر سے لکھا ہے۔ تقابلی مطالعہ پر مبنی تحقیق سے وہاں کی اصل صورت حال کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔

3۔ مقبوضہ کشمیر میں لکھے گئے افسانوی اور شعری ادب کا آزاد کشمیر میں لکھے گئے افسانوی اور شعری ادب سے تقابل بھی منفرد تحقیق ہو سکتی ہے۔ اسی طرح مقبوضہ کشمیر کے ادبی سرمایہ کو پاکستان اور ہندوستان کے مختلف ادبی مراکز سے بھی تقابل کیا جاسکتا ہے۔

کتابیات

بنیادی مآخذ

شفق سوپوری، فائرنگ رینج: کشمیر1990ء، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی،2019ء

نعیمہ احمد مہجور، دہشت زادی، میزان پبلشرز، سری نگر،2012ء

ثانوی مآخذ

احسن فاروقی، نورالحسن ہاشمی(مرتبین)،ناول کیا ہے؟، دانش محل، لکھنو،1948ء

احسان اکبر، جموں وکشمیر: ہمارااکیسویں صدی میں داخلہ، وطن پبلشرز، راولپنڈی،1994ء

احمد شجاع، پاشا، مسئلہ کشمیر، سنگ میل پبلشرز، لاہور،2002ء

افضال حسین، قاضی(مرتب)، بیانیات، مسلم ایجوکیشنل پریس، علی گڑھ، طبع اول، اکتوبر2017ء

امداد صابری، تاریخ جرم وسزا، فکشن ہاؤس، لاہور،2010ء

برج پریمی، ڈاکٹر، جموں وکشمیر میں اردوادب کی نشوونما، طبع دوم،1999ء

تحسین جہانگیر خان، تاریخِ حقوقِ انساں ومذاہبِ عالم، بک ٹائم، کراچی، طبع دوم،2017ء

چراغ حسن حسرت، کشمیر، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، طبع اول،2003ء

حامدی کاشمیری، ڈاکٹر، ریاست جموں وکشمیر میں اردوادب، گلشن پبلشرز، سری نگر،1991ء

حفیظ صدیقی، ابوالاعجاز، کشاف تنقیدی اصطلاحات، ادارہ فروغ قومی زبان، اسلام آباد، طبع دوم،2018ء

حمید یزدانی، خواجہ، ڈاکٹر، فروخت کشمیر، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور،1990ء

زاہد چوہدری، پاکستان کی سیاسی تاریخ (پاک بھارت تنازعہ اور مسئلہ کشمیر کا آغاز)، جلد سوم، ادارہ مطالعہ تاریخ، طبع دوم، 1999ء

سعید ساحلی، تشدد پس منظر و پیش منظر، کلاسیک، لاہور، طبع اول، فروری 1992ء

سلام الدین نیاز، ڈاکٹر، تاریخ حریت کشمیر، نفیس پرنٹرز، لاہور، س ن

سفینہ بیگم، اردو ناول نظری و عملی تنقید، عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی، 2022ء

سیفی سرونجی، ڈاکٹر، اکیسویں صدی میں اردو ناول، انتساب پبلی کیشنز، مدھیہ پردیش، 2015ء

سہیل بخاری، اردو ناول نگاری، مکتبہ جدید، لاہور، طبع اول، 1960ء

شہزاد احمد، ذہنِ انسانی کا حیاتیاتی پس منظر، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع اول، مئی 1987ء

شمیم حنفی، ادب، ادیب اور معاشرتی تشدد، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، طبع اول، 2008ء

عبدالقیوم خان، سردار، کشمیر بنے گا پاکستان، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، 2008ء

عتیق اللہ، پروفیسر، ادبی اصطلاحات کی وضاحتی فرہنگ، جلد اول، ثمر آفیسٹ پریس، نئی دہلی، 1995

علی حیدر، سید، اردو ناول: سمت و رفتار، شبستان، الٰہ آباد، طبع اول، 1977ء

علی عباس حسینی، اردو ناول کی تاریخ اور تنقید، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 1987ء

عمر فاروق، ڈاکٹر، اصطلاحاتِ نقد و ادب، بھارت آفیسٹ، دہلی، طبع اول، 2004ء

غالب احمد، تشدد تاریخی تناظر میں، مشعل، لاہور، 1997ء

غلام عباس، چوہدری، کشمکش، رائل پبلشنگ کمپنی، راولپنڈی، 2012ء

غلام احمد پنڈت، خواجہ، کشمیر آزادی کی دہلیز پر، جنگ پبلشرز، لاہور، طباع دوم، فروری 1995ء

فرانز فینن، افتادگانِ خاک، مترجمہ محمد پرویز، سجاد باقر رضوی، کتاب نما، لاہور، س ن

مجید بیدار،ڈاکٹر،ناول اور متعلقات ناول، نیشنل فائن پرنٹنگ پریس،حیدر آباد،انڈیا،طبع اول، ستمبر 1989ء

محمد بشیر بٹ،خواجہ،جموں وکشمیر کی دردناک تصویر،الحمد پبلی کیشنز،لاہور،2016ء

محمد سلیمان،ڈاکٹر،ادبی تجزیے،سپاترشی پبلی کیشنز،چندی گڑھ،2017ء

محمد عبداللہ، شیخ، آتشِ چنار،رائل پبلشنگ ہاؤس،راولپنڈی،2012ء

ممتاز احمد خان،ڈاکٹر،اردو ناول کے چند اہم زاویے،انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی،2003ء

محمد یاسین،ڈاکٹر،ناول کا فن اور نظریہ، میٹرو پرنٹر،لاہور،2013ء

منظور حسین(مرتب)،اکیسویں صدی میں اردو ناول، قاسمی کتب خانہ، دہلی،2022ء

قمر رئیس، علی احمد فاطمی(مرتبین)،ہم عصر اردو ناول ایک مطالعہ،ایم آر پبلی کیشنز، دہلی،2007ء

نعیم انیس،ڈاکٹر(مرتب)،اکیسویں صدی میں اردو ناول،دی مسلم انسٹی ٹیوٹ، کلکتہ،2016ء

ولیم ڈبلیو بیکر، کشمیر وادی مسرت وادی موت،مترجم طاہر اسعدی،ڈیفینڈر پبلیکیشنز،لاہور،1994ء

یحیٰ ابدالی،ڈاکٹر،اردو ناول کا تنقیدی جائزہ،نیو کوالٹی آفسیٹ پریس،پٹنہ،2010ء

لغات

اظہر اللغات،اظہر پبلی کیشنز،لاہور،1994ء

مولوی سید احمد دہلوی(مرتب)فرہنگ آصفیہ، جلد سوم،اردو سائنس بورڈ،لاہور، طبع اول،2008ء

شان الحق حقی(مرتب)فرہنگ تلفظ، مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد، طبع سوم،2008ء

نور الحسن نیر، مولوی،نور اللغات، جلد اول، نیشنل بک فاؤنڈیشن،اسلام آباد، طبع سوم،2006ء

رسائل وجرائد

ادبیات (سہ ماہی)، اردو ناول ڈیڑھ صدی کا قصہ (خصوصی نمبر)، جلد اول، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، جولائی تا ستمبر 2019ء

ادبیات (سہ ماہی)، اردو ناول ڈیڑھ صدی کا قصہ (خصوصی نمبر)، جلد دوم، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، جنوری تا جون 2020ء

اردو ریسرچ جرنل، جولائی تا ستمبر 2019،

ارقم (کشمیر نمبر)، شمارہ 6، جون 2022ء، گورنمنٹ کالج، راولا کوٹ

ایوان اردو (ماہنامہ)، دہلی، مئی 2023ء

آبشار (سہ ماہی)، ناول نمبر، شمارہ 4، اردو سخن پاکستان، لیہ

پیش رفت (ماہنامہ)، نئی دہلی، مارچ 2023ء،

پیش رفت (ماہنامہ)، نئی دہلی، جون 2023ء

سروش (جموں و کشمیر نمبر)، اپریل 2014ء، گورنمنٹ کالج، میرپور

شیرازہ (ماہنامہ)، جموں و کشمیر میں اردو ادب کے پچاس سال، جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر، جلد 37، شمارہ 6۔7، 1998ء

اخبارات

ایکسپریس (روزنامہ)، 22 اگست 2015ء

ایکسپریس (روزنامہ)، 22 جنوری 2022ء

ایکسپریس (روزنامہ)، 25 جنوری 2022ء

دنیا (روزنامہ)، 5 فروری 2023ء

نوائے وقت، 12 دسمبر 2023ء

نئی بات (روزنامہ)، 17 جون 2023ء

مقالہ جات

اعجاز احمد، اردو ناول میں کشمیر بطور موضوع: تحقیقی و تنقیدی جائزہ، مقالہ برائے ایم فل (اردو)، مملوکہ: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، 2003ء

سلطان احمد، کتابیات کشمیر (اردو)، مقالہ برائے ایم فل (اردو)، مملوکہ: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، 2003ء

محمد اسد، اردو فکشن: مذہبی و ریاستی جبر اور آزادی اظہار کے مسائل، مقالہ برائے پی ایچ ڈی (اردو)، مملوکہ: دہلی یونیورسٹی، 2020ء

ممتاز صادق خان، کشمیر میں اردو نثر کا تحقیقی مطالعہ (1877 تا 1996)، مقالہ برائے پی ایچ ڈی (اردو)، مملوکہ: سندھ یونیورسٹی جامشورو، 2000ء

ویب سائیٹس

https://www.aikrozan.com

https://www.bbc.com>urdu

https://www.urduvoa.com

https://www.dw.com

https://www.independenturdu.com

https://www.humsub.com.pk

https://www.rekhta.org

https://www.britannica.com

انگریزی کتب

Maqsood Jafri, Dr, The Plight of Kashmir, National Book Foundation, Islamabad, Ed 2, January 2021

Maqsood Jafri, Dr, Kashmir Under Siege, National Book Foundation, Islamabad, Ed 1, 2022

Claire M. Renzetti, Jeffrey L.Edleson (Editors), Encyclopedia of Interpersonal Violence, Vol 1&2, Sage Publications, London, 2008

Torture (Report), Association of Parents of Disappeared Persons, Feb 2019

World Report on Violence and Health, World Health Organization, Geneva, 2002